# سحر اک استعارہ ہے

از

عمیرہ احمد

اس نے آج پھر مجھے فون کیا تھا۔

مریم اسے کہو مجھے معاف کر دے ایک بار صرف ایک بار مجھ سے مل لے، مجھے اپنی شکل دکھا دے، اس نے التجا کی تھی۔

''ایمن یہ میرے بس میں نہیں''۔

کیسے تمہارے بس میں نہیں وہ بے اختیار چلائی تھی۔

تم اسے کچھ کہو اور وہ نہ مانے یہ کیسے ہو سکتا ہے، وہ تمہارے اشاروں پر چلتا ہے اور کہتی ہو یہ بات میرے بس میں نہیں۔ یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تم ایسا چاہتی ہی نہیں اس کی آواز آنسوؤں سے بھیگ رہی تھی میں نے آہستگی سے فون بند کر دیا۔

اس نے ٹھیک کہا تھا میں واقعی ایسا نہیں چاہتی تھی اور اگر میں چاہتی بھی تو جو دیواریں دونوں کے بیچ حائل تھیں انہیں پار کرنا

کسی کے بس کی بات نہیں تھی اور پھر اسے کس چیز کی کمی ہے جو وہ میری واحد خوشی کو بھی چھین لینا چاہتی ہے مگر اب میں ایسا نہیں ہونے دوں گی، وہ مریم مر چکی ہے جو اپنے گلے سے پھولوں کے ہار اتار کر اس کے گلے کے کانٹوں کے ہار پہن لیا کرتی تھی اور اس مریم کا مر جانا ہی بہتر ہے

آنکھیں بند کئے کرسی پر جھولتے ہوئے میں مسلسل ایمن کے بارے میں سوچ رہی تھی اس کے فون نے، اس کی آواز اس کی التجا نے اس کے آنسوؤں نے یادوں کی ساری کھڑکیاں کھول دی تھیں اور میں انہیں بند کرتے کرتے تھک گئی تھی۔

کبھی کبھی اچھا لگتا ہے۔ رات کے اس پہر یوں ماضی میں جھانکنا، جب آپ کو یقین ہو کہ آپ کے پیروں کے نیچے کی زمین اب اپنی جگہ نہیں چھوڑے گی اور یہ جانتے ہوں کہ سر پر موجود آسمان آپ پر نہیں آن گرے گا اب میں ماضی کو آنسوؤں کے ساتھ یاد نہیں کرتی، اتنا سکوں اتنا قرار ہے میرے اندر کہ کوئی خلش مجھے

بے قرار نہیں کرتی، کھلی کھڑکی سے آنے والی ہوا بہت بھلی لگ رہی ہے کاش یہ یوں ہی ساری عمر مجھے سہلاتی رہے۔

آپ نے پوری کہانی نہیں سنائی اور مجھے سلا دیا۔

میرے کمرے میں اچانک ایک آواز ابھری اسامہ نیم اندھیرے میں اپنی موٹی موٹی آنکھیں کھولے مجھے دیکھ رہا تھا پتا نہیں کس وقت اس کی آنکھ کھل گئی تھی مجھے بے اختیار اس پر پیار آیا میں اٹھ کر اس کے قریب بیڈ پر آ گئی اور ٹیبل لیمپ جلا دیا۔

تم سو گئے تھے پھر کہانی کیسے سناتی۔

اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے میں نے کہا۔

پھر اب سنائیں اس نے میرے گلے میں باہیں ڈال دیں میں نے اسکا ماتھا چوم لیا۔ گیٹ پر اچانک ہارن کی آواز سنائی دی تھی وہ واپس آ گیا تھا میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی رات کے دو بج

رہے تھے۔

کہانی سنائیں نہ؟ اسامہ نے مجھے خاموش دیکھ کر اصرار کیا۔

سناتی ہوں بھئی سناتی ہوں۔

تمہیں یاد ہے کہاں تک سنائی تھی؟ اس نے کہانی دہرانی شروع کی میں اس کی طرف متوجہ نہیں تھی اس وقت وہ داخلی دروازہ کھول کر اندر آ گیا ہوگا، میں نے اندازے لگانے کی کوشش کی تھی میں روز یہی کیا کرتی تھی

اب وہ لاؤنج میں آ گیا ہوگا، ملازم نے اس سے چیزیں پکڑی ہوں گی

سیڑھیوں پر اس کے قدموں کی آواز آ رہی تھی وہ میرے اندازے کے عین مطابق سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

میں جانتی تھی اب تھوڑی دیر میں وہ میرے کمرے میں
آنے والا تھا میں نے پیار سے اسامہ کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

شہزادی palace کی کھڑکی میں بیٹھ کر روز رویا کرتی تھی
مگر کوئی اس کی مدد کو نہیں آتا تھا پھر ایک دن وہاں سے ایک شہزادہ
گزرا، اب آگے سنائیں اسامہ نے اپنی سنی ہوئی کہانی کا اعادہ کر
دیا تھا اب وہ آگے کہانی سننے کا منتظر تھا۔

پھر شہزادے نے شہزادی کو دیکھا میں نے کہانی شروع کی
قدموں کی چاپ میرے دروازے پر رک گئی تھی اس نے ہینڈل
گھمایا اور دروازہ کھول دیا۔

وہ خوبصورت تھی بے حد خوبصورت تھی بلکہ بعض دفعہ میں
سوچتی تھی کہ کیا دنیا میں کوئی اس سے زیادہ خوبصورت بھی ہو سکتا ہے
اور میرا میجک مرر مجھے ہمیشہ یہی بتاتا تھا کہ دنیا میں اس سے زیادہ
خوبصورت کوئی نہیں ہے، ہر ایک کی آنکھ میں اس کے لیے ستائش

ہوتی تھی اور مجھے اس پر رشک آتا تھا وہ خوبصورت تھی اور اسے اپنی خوبصورتی کا استعمال آتا تھا، میرے جیسے لوگ اس کے مداح تھے، اس کے معمول تھے وہ جو چاہتی کروا لیتی، مجھ سے چھوٹی تھی اس لیے لاڈلی تھی میری اکلوتی بہن تھی اس لیے بھی مجھے پیاری تھی اور صرف مجھے ہی نہیں سب کو ہی میں، امی، ابا سب اس کو آسائش دینے میں لگے رہتے۔

ایمن کو یہ چاہیے ایمن کو وہ چاہیے، ایمن کو یہ پسند نہیں ایمن کو وہ پسند نہیں، یہ وہ جملے تھے جو ہر وقت گھر کے کسی نہ کسی فرد کی زبان پر رہتے اور ہم میں سے کوئی بھی اس کی مرضی کے خلاف کوئی بھی کام نہ کرتا، آہستہ آہستہ پورا گھر اس کی مرضی سے چلنے لگا، گھر میں ہر کام اس کی پسند کے مطابق ہوتا، ہر چیز اس کی پسند سے آتی اور اس کی مرضی کے مطابق رکھی جاتی اور یہ صرف گھر پر ہی بس نہیں تھا وہ مجھے بھی اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق استعمال کرتی تھی گھر میں جو چیز آتی پہلے انتخاب کا حق ایمن کو دیا جاتا پھر میری باری

آتی اور پھر پتہ بھی نہیں چلا اور میں ہمیشہ جو چیز بھی لاتی اس میں سے بہترین چیز ایمن کے لیے علیحدہ کرنے کی عادی ہوگئی، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اگر ایک جیسے جوتے یا کپڑے آ جاتے تو ایمن اپنا سلوا کر خاص موقع کے لیے محفوظ کر دیتی اور کسی عام سی جگہ پر جانے کے لیے بھی میرا والا سوٹ یا جوتا استعمال کرتی، مجھے کبھی اس پر اعتراض نہیں ہوا ہاں امی کو کبھی ہوتا تو وہ بڑے دھڑلے سے کہتی۔

ہاں ایسے عام سے موقع پر اپنا سوٹ پہن کر خراب کر لوں۔تو کیا مریم کا خراب نہیں ہوگا امی کہتیں۔اس کی خیر ہے اسے کونسا اتنا باہر آنا جانا ہوتا ہے۔میں ہمیشہ امی کو بات بڑھانے سے روک دیتی۔کوئی بات نہیں امی کچھ نہیں ہوتا مجھے کبھی بھی اس سے کوئی شکوہ نہیں ہوا تھا یہ تو عام سی چیزیں تھیں۔ میں تو ضرورت پڑنے پر اس کے لیے جان بھی دینے سے گریز نہیں کرتی مگر ایسا موقع کبھی آیا ہی نہیں۔

مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ میری اس عادت نے کب اسے خود

غرض بنا دیا کب اس نے میری ہر چیز چھیننا عادت بنا لیا چونکہ مجھے اس سے کوئی حسد نہیں ہوتا تھا اس لیے تب بھی اعتراض نہیں ہوا جب میرے بچپن کے منگیتر سعد نے میری بجائے اس سے شادی پر اصرار کیا تھا۔

وہ میری خالہ کا بیٹا تھا باقاعدہ منگنی تو ہماری نہیں ہوئی تھی لیکن بچپن سے ہی ہر کوئی جانتا تھا کہ میری شادی سعد سے ہی ہو گی ہم دونوں میں آپس میں بہت ہی کم بات چیت ہوتی تھی بلکہ شاید ہی کبھی ہوئی ہو، وہ بہت کم گو تھا اور سنجیدہ بھی ہمارے گھر اس کا زیادہ آنا جانا نہیں تھا شروع میں وہ پڑھائی میں بہت مصروف رہا اور پھر بعد میں اس نے کاروبار شروع کر دیا تھا آہستہ آہستہ ان کے مالی حالات بہت اچھے ہو گئے تھے وہ ہماری طرح لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے خالو واپڈا میں سپریڈنٹ تھے وہ دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اور ایم بی اے کرنے کے بعد اس نے کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر امپورٹ ایکسپورٹ کا کام شروع کیا تھا وہ لیدر جیکٹس

بنوایا کرتا تھا اور بہت کم عرصے میں وہ لوئر مڈل کلاس سے نکل کر اپر مڈل کلاس میں آ گئے تھے۔

جب امی نے مجھ سے سعد کی ضد کا ذکر کیا تو چند لمحوں کے لیے تو میں بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھتی رہی پھر میں نے وہی کہا جو میں ہمیشہ کہتی تھی۔

کوئی بات نہیں امی اس میں حرج ہی کیا ہے۔اس بار امی نے مجھے بے یقینی سے دیکھا تھا۔وہ تمھارا بچپن کا منگیتر ہے انہوں نے کہا تھا ہاں مگر اب وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تو اسے مجبور تو نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں مجبور نہیں کیا جا سکتا تو پھر وہ کہیں اور شادی کرے تم سے نہیں تو ایمن سے بھی نہیں امی نے دوٹوک انداز میں کہا تھا اور میں چپ ہو گئی تھی، شاک مجھے ضرور لگا تھا مگر میں نے ہمیشہ کی طرح خود پر قابو پا لیا میں مضبوط تھی اس لیے یہ صدمہ بھی برداشت کر گئی۔

پھر ایمن میں حیرت انگیز تبدیلی آئی تھی وہ بات بات پر جھگڑتی، لڑتی اور پھر رونے بیٹھ جاتی، پھر مجھے پتہ چلا کہ وہ امی سے اس بات پر اصرار کر رہی ہے کہ وہ سعد کا رشتہ قبول کریں امی اس بات پر تیار نہیں تھیں اور وہ اتنی ہی بضد تھی پتا نہیں مجھے یہ سب اچھا لگا یا نہیں ہاں مگر مجھے یاد ہے کہ میں نے زندگی میں پہلی بار امی سے ضد کی تھی اور اپنی بات منوالی تھی۔ ایمن کی شادی سعد سے ہوگئی تھی۔ مجھے یاد ہے میری دوست عالیہ اس بات پر بہت دیر تک مجھ سے لڑتی رہی تھی۔

تم پاگل ہوچکی ہو۔ مریم، تم واقعی پاگل ہوچکی ہو اس نے جاتے جاتے مجھ سے کہا تھا اور میں نے جواباً کہا تھا۔

فاطمہ اس سے کیا ہو جائے گا، میں پہلے بھی اسے اپنی چیزیں دیتی رہی ہوں اور اب بھی سہی، سعد کوئی چیز نہیں ہے سمجھیں تم، دیکھنا بہت پچھتاؤ گی جب لوگ یہ پوچھیں گے کہ اتنے سال منگنی رہنے کے بعد تمھارے منگیتر نے تمہیں کیوں چھوڑ دیا تو پھر کیا

کہو گی، ایمن جیسے لوگوں کو خود غرض بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ تم جیسوں کا ہوتا ہے سمجھیں تم۔

فاطمہ ویسے سعد کے ساتھ ایمن ہی سجے گی، ان دونوں کی جوڑی بہت خوبصورت لگے گی میں نے بات بدلنے کی کوشش کی تھی۔ بھاڑ میں جائے ان کی جوڑی اور تم بھی وہ دروازہ پٹخ کر باہر چلی گئی تھی مگر مجھے تب بھی کوئی ملال نہیں ہوا۔

ایمن شادی پر بہت خوبصورت لگ رہی تھی یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی اور دنیا سے آئی ہو میں نے خالہ کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

دیکھیں خالہ وہ کتنی خوبصورت لگ رہی ہے انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا پھر مجھے دیکھا اور کہا ہاں وہ صرف خوبصورت لگتی ہے۔ میں ان کی بات نہیں سمجھی تھی اور سمجھنا بھی نہیں چاہتی تھی سعد اس شادی سے بہت خوش تھا میں نے زندگی میں پہلی بار شادی کے

موقع پر اسے قہقہے لگاتے دیکھا تھا اور اسے اتنا خوش دیکھ کر مجھے عجیب سی ندامت کا احساس ہوا تھا اگر مجھے یہ پتا ہوتا کہ مجھ سے پیچھا چھوٹ جانے پر وہ اتنا خوش ہوگا تو میں بہت پہلے یہ کام کرگزرتی ۔

وہ دونوں بہت خوش تھے اور میں ان کی خوشی پر خوش تھی

سعد شادی کے بعد میرا سامنا کرنے سے کترایا کرتا تھا اور یہی حال میرا تھا، میں ان دونوں کو کسی مشکل لمحے سے دوچار نہیں کرنا چاہتی تھی سو کوشش کرتی کہ ان سے زیادہ سامنا نہ ہو۔

پھر زندگی اپنے معمول پر آ گئی تھی۔ میں نے بی اے کرنے کے بعد ایک سکول جوائن کرلیا تھا امی نے میرے کئی اچھے رشتے بھی معمولی سی خامی پر ٹھکرا دیے، حالانکہ میں ان سے کہنا چاہتی تھی کہ اب اتنی چھان بین کا کوئی فائدہ نہیں جب سعد نہیں تو پھر کوئی بھی سہی اچھا ہو یا برا، اس سے کیا فرق پڑتا ہے، گزارنی تو زندگی ہی تھی اور وہ بہرحال گزر جاتی۔ مگر میں امی سے نہیں کہہ

پائی۔

میں 24 سال کی ہو گئی تھی۔ زندگی آہستہ آہستہ گزرتی جا رہی تھی میری عمر بڑھانے والا ہر سال امی کی پریشانی میں اضافہ کر دیتا مگر میں کیا کر سکتی تھی نہ میں وقت کے پہیے کو روک سکتی تھی نہ امی کی پریشانی ختم کر سکتی تھی ہاں اگر میں کچھ کر سکتی تھی تو وہ صبر تھا اور یہ کام میں برسوں سے کر رہی تھی۔

دن ایسے ہی گزر رہے تھے جب اچانک ہماری زندگی میں بھونچال آ گیا تھا وجہ اس بار بھی ایمن ہی تھی، وہ سعد سے طلاق چاہتی تھی اور اس کی کوئی معقول وجہ اس کے پاس نہیں تھی اس کی شادی کو چار سال گزر گئے تھے ایک بہت خوبصورت بیٹا بھی تھا اس کا، سعد کا کاروبار ترقی کر رہا تھا گھر میں اس پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی، سعد اس پر جان چھڑکتا تھا، پھر بھی وہ طلاق چاہتی تھی اور طلاق حاصل کرنے کے لیے وہ ہمارے پاس نہیں آئی بلکہ اپنی ایک دوست کے گھر اس نے رہائش اختیار کر لی وہ حدید کو بھی چھوڑ گئی

تھی۔

سعد اور خالہ بے حد پریشان تھے اور ہم لوگ صرف پریشان نہیں تھے ہم پر تو جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔

ہزار دقتوں کے بعد سعد نے اس کی رہائش گاہ کا پتہ چلایا تھا مگر اس نے سعد سے بات کرنے سے قطعی طور پر انکار کر دیا اور اسی سلوک کا سامنا ہمیں کرنا پڑا جب سعد نے ہمیں اسے سمجھانے کے لیے بھجوایا تھا، پھر ہم ایک بار نہیں بیسیوں بار اسے سمجھانے کے لیے گئے تھے مگر اس نے ہمیشہ ہم سے ملنے سے انکار کر دیا اور آخری دنوں میں تو اس کا چوکیدار ہمیں دیکھ کر گیٹ بھی نہیں کھولتا تھا۔

پھر جب سعد نے اسے طلاق دینے سے انکار کر دیا تو اس نے خلع کا کیس کر دیا۔ سعد کی حالت ان دنوں پاگلوں جیسی تھی اس کا بسا بسایا گھر اجڑ رہا تھا اور وہ اس کی تباہی دیکھنے پر مجبور تھا، وہ دن میں تین تین بار ایمن کے گھر جاتا کہ شاید وہ اس سے بات کر لے۔

شاید وہ اپنی خفگی کی وجہ بتا دے مگر وہ اس کے سامنے نہیں آئی وہ اس کے وکیل کے سامنے گڑگڑاتا منت کرتا کہ وہ اس سے پوچھیں کہ اس سے کیا غلطی ہوئی ہے۔اسے کیا چیز بری لگی ہے مگر اس کا وکیل ہمیشہ کہتا۔

وہ کہتی ہے کہ وہ آپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں وہ آپ سے طلاق چاہتی ہیں۔

اور پھر وہی ہوا تھا جو ایمن نے چاہا تھا سعد نے بہت کوشش کی تھی کہ کیس کو لٹکا دیا جائے مگر ایسا نہیں ہوا ایمن کے وکیل بہت نامی گرامی تھے اور وہ پیسہ پانی کی طرح بہا رہی تھی۔

کیس کورٹ گیا اور سعد کے کردار کے بارے میں ایمن کے وکیل نے بے شمار باتیں کہیں،انہوں نے جھوٹے گواہوں کے ساتھ کورٹ میں ثابت کر دیا کہ سعد ایک بدکردار شخص ہے جو بیوی کو مارتا پیٹتا ہے،اور اس کی کوئی ذمہ داری پوری نہیں کرتا اور اپنی بیوی

کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے میکے سے روپے لائے اور وہ ایمن کے کردار پر شک بھی کرتا ہے ایسے شخص کے ساتھ کوئی عورت نہیں رہ سکتی۔

میں جانتی تھی سعد ایسا نہیں ہے وہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا میرے گھر والے جانتے تھے کہ یہ سب غلط ہے مگر عدالت میں اس کے خلاف گواہ موجود تھے، ثبوت تھے اور ایمن بس ایک بار کورٹ میں آئی تھی اور اپنی لاجواب اداکاری سے اس نے سب کو ہرا دیا تھا، آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی لیے آنکھیں جھکائے بکھرے بالوں اور لرزتی آواز کے ساتھ اس نے اپنے بیان سے کیس جیت لیا تھا۔

کورٹ نے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا اور اب ہمارے کرنے کو کچھ نہیں رہا تھا، سعد فیصلہ سن کر وہیں عدالت میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا مگر ایمن کسی کو دیکھے بغیر ان ہی لوگوں کے ساتھ واپس چلی گئی تھی جن کے ساتھ وہ آئی تھی تب کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟

پچھلے ایک سال سے وہ بہت عجیب ہوگئی تھی۔ معمولی باتوں پر سعد سے جھگڑتی اس نے سعد سے بے تحاشا فرمائشیں شروع کردی تھیں۔ سعد ان سب باتوں سے پریشان تھا، مگر پھر بھی وہ اس کی ہر بات مان لیتا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے اس کے پارٹنر نے اپنا بزنس الگ کرلیا تھا سو اسے مالی طور پر کچھ نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔ پھر ایمن جو فرمائش کرتی اس نے بھی مالی طور پر اسے کافی نقصان پہنچایا تھا، پہلے وہ جتنا جیب خرچ اسے دیتا وہ اس پر ہی بہت خوش تھی کیونکہ وہ اس کی ضرورت سے زیادہ ہوتا تھا مگر اب وہ جتنا بھی دیتا وہ خوش نہ ہوتی بلکہ ہر دو چار دن کے بعد کسی نہ کسی بہانے وہ مزید روپوں کا مطالبہ کردیتی۔

وہ ہر وقت گھر سے باہر رہتی تھی اور حدید پر بھی اس کی توجہ کم ہوگئی تھی مگر ہم نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس طرح کرے گی۔

خالہ نے خلع کے بعد ہمیں بتایا تھا حدید بہت چھوٹا تھا اور خالہ اسے سنبھال نہیں پاتی تھیں سو وہ اسے ہمارے گھر چھوڑ گئیں ہم

لوگ خالہ اور سعد سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہے تھے بلکہ ہم تو کسی کا بھی سامنا نہیں کر سکتے تھے۔ ہر آنے والا یہی تذکرہ چھیڑ کر بیٹھ جاتا اور ہماری ندامت میں اضافہ کرتا جاتا۔

ایمن نے خلع کے بدلے سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ جہیز کا سامان حق مہر حتیٰ کہ حدید کو بھی، وہ دو سال کا تھا اور ہر وقت روتا رہتا تھا مجھے اس پہ بے تحاشا ترس آتا اور میں سارا دن اسے اٹھائے پھرتی اس کی وجہ سے میں نے اسکول بھی چھوڑ دیا۔ آہستہ آہستہ وہ مجھ سے مانوس ہو گیا مجھے اس سے اس لیے محبت تھی کہ وہ ایمن اور سعد کا بیٹا تھا اور اس لیے بھی کہ اس نے ماں کے ہوتے ہوئے بھی اسے کھو دیا تھا۔

میں جب بھی اس کا چہرہ دیکھتی، مجھے ایمن یاد آ جاتی، وہ بالکل اس کی کاربن کاپی تھا۔ صرف رنگت کا فرق تھا ایمن سرخ و سفید تھی تو حدید سعد کی طرح گندمی رنگت کا تھا۔

ہم نے سعد سے تمہارے نکاح کا فیصلہ کیا ہے۔

خلع کے ایک ماہ بعد ایک رات امی نے مجھ پر قیامت توڑی تھی۔

جتنی ذلت اور رسوائی سعد کو ایمن کی صورت میں برداشت کرنی پڑی ہے اس کا واحد حل یہ ہے کہ میں تم سے اس کی شادی کروا کران داغوں کو ختم کر دوں جو ایمن نے اس کے کردار پر لگائے ہیں، لوگ سعد کے بارے میں جو شبہات رکھنے لگے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے تمہارے علاوہ حدید کی زندگی تباہ ہو جائے گی آخر شادی تو اسے کرنی ہی ہے تو پھر تم سے کیوں نہیں، پھر تمہاری خالہ اور سعد بھی یہی چاہتے ہیں۔

سعد بھی یہی چاہتا ہے۔ میں نے سوچا تھا اور ہاں کر دی تھی۔

ہاں واقعی حدید کو میرے علاوہ اور کون چاہ سکتا ہے؟

میرے ذہن سے ابھرنے والی دوسری سوچ حدید کے لیے تھی۔

میں نے زندگی میں کبھی کوئی مشکل کام نہیں کیا تھا (یہ میرا خیال تھا) اور میں نے سوچا تھا کہ اب مجھے ایک مشکل کام کرنا پڑے گا۔ سعد کو یہ یقین دلانا تھا کہ میں ایمن کی طرح نہیں کروں گی میں ایمن سے بہتر ہوں مجھے اس کے دل میں اور اس کے گھر میں اپنی جگہ بنانی تھی مگر مجھے یہ مشکل کام کرنا ہی نہیں پڑا جس سعد سے میری شادی ہوئی تھی عورت پر سے اس کا اعتبار اٹھ چکا تھا اور میں بھی عورت تھی پھر ایمن کی بہن تھی یہ میری ذات کو اور بھی ناقابل یقین بناتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میں اس کی وہ سابقہ منگیتر تھی جسے وہ ٹھکرا چکا تھا۔

خالہ کو ہمیشہ مجھ پر یقین تھا اور بعد میں بھی رہا سو مجھے ان کا اعتماد جیتنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرنا پڑا، سعد کو نہ پہلے مجھ پر یقین تھا نہ بعد میں ہی کبھی ہونا تھا سو اس کا اعتماد جیتنے کی میری ہر کوشش بری طرح ناکام رہی وہ مجھ سے صرف کام کی بات کرتا تھا اور جب کرتا

بھی تو جھڑکنے یا ڈانٹنے والے انداز میں وہ مجھ سے باقاعدہ لڑتا نہیں تھا شاید میں نے کبھی اس کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔

وہ میری ذات سے ہمیشہ بے نیاز رہتا تھا جیسے میرے ہونے یا نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور میں جانتی تھی کہ اسے واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، اسے میری کسی ضرورت سے کوئی غرض نہیں تھی وہ ہر ماہ مجھے ایک محدود سی رقم تھما دیتا اور پھر پورا ماہ مجھے اسی رقم میں گزارا کرنا پڑتا تھا، میں اس سے کسی بات کا شکوہ اس لیے نہیں کر سکتی تھی کیونکہ یہ سب میری اپنی بہن کا کھودا ہوا گڑھا تھا جس میں مجھے گرنا پڑا تھا۔ میں سعد کو اس رویئے پر حق بجانب سمجھتی تھی سو مجھے کبھی اس سے شکایت نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس کی ہر زیادتی پر مجھے ایک عجیب سی تسلی ہوتی کہ میں ایمن کی زیادتیوں کی تلافی کر رہی ہوں۔

ایمن نے سعد سے خلع کیوں لی تھی یہ بات زیادہ عرصہ راز نہیں رہی تھی، اس نے اپنی عدت پوری ہونے کے اگلے ہی دن

سعد کے اس دوست سے شادی کر لی تھی جو اس کا بزنس پارٹنر تھا اور جس نے کچھ عرصہ پہلے سعد سے اپنا بزنس ختم کر لیا تھا یہ اس اقدام کے لیے تیاری تھی جو ایمن کرنے والی تھی۔

اظہر، سعد کا بہت گہرا دوست تھا عمر میں سعد سے کافی بڑا تھا مگر پھر بھی سعد سے اس کی بہت دوستی تھی اور وہ سعد کے گھر بہت آیا کرتا تھا۔ پتا نہیں ان دونوں کو ایک دوسرے میں کیا چیز اچھی لگی۔ شاید اظہر کو ایمن کی خوبصورتی نے گھائل کیا ہوگا اور ایمن اس کی دولت سے متاثر ہوئی ہوگی وہ بہت امیر تھا سعد شکل میں اس سے اچھا سہی مگر دولت میں وہ کسی طور بھی اس کے برابر نہیں تھا اظہر شادی شدہ تھا اور اس کے چار بچے تھے مگر اس نے بھی ایمن سے شادی کرتے ہی اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔

اور جب سعد کو اس شادی کی خبر ملی تھی تو اس پر جیسے جنون سوار ہو گیا تھا اس دن وہ بغیر کسی وجہ کے مجھ سے لڑ پڑا تھا اور پھر گھر کی جو چیز اس کے ہاتھ لگی اس نے توڑ ڈالی، برتن، گملے، ڈیکوریشن

پیسز، دیوار پر لگی ہوئی تصویریں ہر چیز، میں دم سادھے حدید کو گود میں لیے غم زدہ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی پھر وہ گھر سے چلا گیا خالہ اس کے جانے کے بعد بازار سے آئی تھیں میں اس وقت چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

کچھ نہیں بس سعد کو غصہ آ گیا تھا۔ میں نے ان کے استفسار پر بغیر ان کی طرف دیکھے جواب دیا تھا، میرے دل میں تب بھی سعد کے خلاف غصہ پیدا نہیں ہوا، میں جانتی تھی وہ صدمے کے عالم میں تھا اظہر اس کے لیے آستین کا سانپ ثابت ہوا تھا، یہ چیز اسے برداشت نہیں ہو رہی ہو گی کہ اس کے اعتماد کا خون کیا گیا تھا، اور یہ سب اس کی ناک کے نیچے ہوا تھا اور سے پتہ نہیں چلا۔

پہلے عورت سے اس کا اعتماد اٹھا تھا پھر دوستی سے بھی اٹھ گیا میرے لیے زندگی پہلے بھی آسان نہیں تھی۔ ایمن کی شادی کے بعد اور بھی مشکل ہو گئی، سعد کا کاروبار کافی خراب حالت میں تھا، اس لیے اس نے کاروبار میں سرمایہ لگانے کے لیے گھر بیچ دیا۔ ہم تین

کمروں کے ایک کرائے کے فلیٹ میں شفٹ ہو گئے سعد نے اپنی گاڑی بھی بیچ دی، مجھے اپنا زیور بھی بیچنا پڑا، بہت سے اخراجات میں ہمیں کمی کرنی پڑی مگر مجھے سعد سے کبھی کوئی شکوہ یا شکایت نہیں ہوئی، جو ہو رہا تھا وہ میری تقدیر میں تھا یہ میں سوچتی تھی۔

سعد کو کسی چیز پر اعتبار نہیں رہا تھا سارے رشتے اس کے لیے بے معنی ہو چکے تھے۔ میری ذات میں اسے پہلے ہی کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر ایمن کی شادی کے بعد وہ خالہ اور حدید سے بھی بے نیاز ہو گیا تھا اسے خالہ سے یہ شکایت تھی کہ انہوں نے ایمن پر نظر کیوں نہیں رکھی مگر خالہ اسے یہ سمجھانے سے قاصر تھیں کہ اس نے خود انہیں ایمن پر کوئی پابندی لگانے سے منع کر دیا تھا، اور اب وہ انہیں ہی قصوروار ٹھراتا تھا۔ اسے حدید میں بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ پہلے وہ کبھی اسے اٹھا لیا کرتا تھا اس کے ساتھ کھیلا کرتا تھا مگر ایمن کی شادی کے بعد جیسے اس کی پوری زندگی بدل گئی تھی۔ وہ رات دیر گئے گھر واپس آتا اور صبح سویرے چلا جاتا اور بعض اوقات تو وہ دو دو

دن گھر نہ آتا۔ میں جانتی تھی کہ وہ اپنا سارا وقت اپنے کاروبار کو دیتا ہے اس لیے مجھے اس کے ان معمولات پر اعتراض نہیں ہوتا تھا اور اگر ہوتا بھی تو اس کا کیا فائدہ ہوتا، میں کسی بھی طرح اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

وقت ایسے ہی گزر رہا تھا میری توجہ اور دلچسپی کا واحد مرکز حدید تھا اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں تھا نہ ہی آئندہ کچھ آ سکتا تھا شادی کے فوراً بعد ہی سعد نے مجھ پر واضح کر دیا تھا کہ وہ اب کوئی اولاد نہیں چاہتا اس کے لیے حدید ہی کافی ہے۔

زندگی میں پہلی بار میں نے اس بات پر اعتراض کیا تھا لیکن اس نے اتنی بری طرح مجھے جھڑکا تھا کہ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ میرے آنسوؤں نے اسے مزید بھڑکا دیا تھا اس نے کہا تھا۔

یہ حربے مجھ پر استعمال نہ کرو یہ ڈراما بند کرو۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ میں حرب استعمال کرنے والوں میں سے نہیں ہوں یہ ہنر آتا ہوتا۔تو میری زندگی اتنی ناکام نہ ہوتی مگر خیر میں اسے کیا سمجھا سکتی تھی صرف خود کو سمجھا سکتی تھی سو میں نے خود کو سمجھا لیا۔میں نے حدید کو کسی انتقامی جذبے کا نشانہ نہیں بنایا اس کا فائدہ ہی کیا ہوتا جیسے میں کسی اور کی غلطی کی سزا کاٹ رہی تھی وہ کیوں کاٹتا۔

پھر آہستہ آہستہ زندگی قدرے بہتر ہو گئی تھی سعد کا کاروبار دوبارہ بہتر ہونا شروع ہو گیا تھا اب وہ زیادہ باہر نہیں رہتا تھا، حدید کے ساتھ بھی اس کا رویہ ٹھیک ہو گیا تھا خالہ سے بھی اس کے گلے ختم ہو گئے تھے مگر اگر کسی سے بے التفاتی کم نہیں ہوئی تھی تو وہ میں تھی اور مجھے اس سے کوئی توقع نہیں تھی میری ذات کا محور تو حدید تھا وہ میرا سب کچھ تھا میرا دوست، میرا بیٹا، میرا ساتھی، میرا ہمراز، میرا غمگسار، میرا ہمدرد سب کچھ وہی تھا میں اپنی ہر بات اسے بتاتی جب اسے سلا رہی ہوتی یا اس کے ساتھ کھیل رہی ہوتی، اسے میری کسی

بات کی سمجھ نہیں آتی تھی مگر مجھے لگتا جیسے وہ سب سمجھ رہا ہے۔

وہ واحد شخص تھا جو مجھ سے واقعی محبت کرتا تھا مجھے دیکھ کر جس کی آنکھوں میں چمک آتی تھی جو میرا لمس پا کر چلا آتا تھا اسے ہر کام میں میرا سہارا چاہیے ہوتا تھا میرے بغیر وہ کھانا تک نہیں کھاتا تھا، اور جب تک سب کچھ ایسا تھا مجھے کسی چیز کی تمنا نہیں تھی۔

خالہ اس سے میرا پیار دیکھ کر کہا کرتی تھیں

اس سے ایسی ہی محبت کرتی رہنا دیکھنا اس سے تمہیں کتنا سکھ ملے گا یہ تمہیں رانیوں کی طرح رکھے گا۔

میں ان کی بات پر گیلی آنکھوں سے ہنس دیتی تھی

جب تک خالہ زندہ تھیں میرے لئے بہت بڑا سہارا تھیں سعد مجھے ہمیشہ میری ضرورت سے کم روپے دیتا اور میں اسے کبھی اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرتی جب اس کا کاروبار بہت اچھا ہو گیا

تھا تب بھی وہ مجھے پہلے جتنی ہی رقم دیتا تھا اور میرے لئے اس لگی بندھی رقم میں گھر چلانا کافی مشکل ہو جاتا تھا، تب خالہ میرے کام آتی تھیں سعد انہیں کافی روپے دیتا رہتا تھا اور یہ سارے روپے مجھے دیتی رہتیں پھر وہ کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد وفات پا گئیں گھر ایک دم سونا سونا لگنے لگا تھا۔

وہ مرنے سے پہلے سعد کو بہت نصیحتیں کرتی رہی تھیں، اور ان سب نصیحتوں کا اثر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر یہ ضرور ہوا کہ اس نے مجھے میری ضرورت کے مطابق روپے دینے شروع کر دیے اور اکثر بغیر مانگے بھی وہ مجھے روپے دیتا رہا۔

کچھ عرصے بعد میری امی کا بھی انتقال ہو گیا تھا باقی سب رشتہ داروں سے میں سعد کی وجہ سے پہلے ہی کٹ چکی تھی۔ سو اب بس حدید تھا جو میرا اکلوتا اثاثہ تھا وہ اسکول جانے لگا تھا اور جب تک وہ اسکول میں رہتا میں پورے گھر میں بولائی پھرتی، جب اس کے آنے کا وقت ہوتا تو میں گیٹ کے پاس چکر لگاتی رہتی اور جب وہ آ

جاتا تو مجھے لگتا جیسے سب کچھ واپس آ گیا ہے۔ جیسے ہر چیز اپنی جگہ پر واپس آ گئی ہے وہ میرا تھا صرف میرا اس کی زبان پر اگر کسی کا نام آتا تھا تو وہ میں تھی چہرے پر کسی کے لئے مسکراہٹ ابھرتی تو وہ میرا وجود تھا اردگرد کہیں بھی کوئی ایمن نہیں تھی سعد بھی نہیں تھا بس میں تھی۔

حدید سعد سے زیادہ مانوس نہیں تھا ایسا کیوں تھا یہ میں نہیں جانتی حالانکہ وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا، میرے ساتھ اس کا سلوک جیسا بھی تھا لیکن حدید سے وہ واقعی محبت کرتا تھا صرف ایمن کی شادی کے کچھ عرصے بعد اس نے حدید سے بے اعتنائی برتی تھی مگر بعد میں وہ بے اعتنائی ختم ہوگئی تھی مگر حدید پھر بھی اس سے کچھ الگ ہی رہنا پسند کرتا تھا، اور یہ احساس کہ حدید کے لئے سب سے اہم میں ہوں میرے لئے بہت تسکین بخش تھا۔

ایمن کے بارے میں اس پورے عرصے میں مجھے کوئی خبر نہیں ملی تھی سوائے اس کے کہ وہ امریکہ چلی گئی تھی اور اس خبر نے

مجھے بہت سکون دیا تھا اس نے کبھی حدید کے ساتھ کوئی رابطہ رکھنے کی کوشش نہیں کی اور مجھے کبھی کبھار اس بات پر حیرت ہوتی تھی مگر میرے لئے یہ بات سکون کا باعث بھی تھی کیونکہ اس سے رابطہ رکھنے کی صورت میں حدید مجھ سے اتنی محبت بھی نا کرتا سو اچھا ہی ہوا اس نے حدید کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رکھا۔

حدید ماشااللہ بڑا ہو گیا تھا اس کا قد میرے برابر آ گیا تھا تب وہ نویں میں تھا اور وہ واضح طور پر ایمن سے مشابہت رکھتا تھا بس اس کی رنگت ایمن جیسی نہیں تھی مگر اس کا مزاج ایمن جیسا ہی تھا وہ کافی بے صبرا تھا ہمیشہ یہ ہی چاہتا تھا کہ میں ہر کام اس کی خواہش اور مرضی کے مطابق کروں اور میں۔۔۔۔۔۔۔ میں ویسے ہی کرتی۔

وقت گزرنے کے ساتھ سعد کا کاروبار ترقی کرتا جا رہا تھا روپیہ جیسے اب اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا وہ جس کام کو ہاتھ لگاتا وہ اس کے لئے سونے کی کان بن جاتا اب ہم اس تین کمروں کے

کرائے کے فلیٹ میں نہیں رہتے تھے بلکہ گلبرگ میں چھ کنال کے ایک بنگلے میں رہتے تھے اب گھر میں تین تین گاڑیاں کھڑی رہتی تھیں گھر میں کام کرنے کے لئے نوکر تھے۔

میں ان سب چیزوں ان سب آسائشوں کو دیکھ کر سوچا کرتی کہ یہ سب ایمن کا مقدر تھا اگر وہ کچھ انتظار کر لیتی تھوڑا صبر کر لیتی پھر کچھ بھی نہ بگڑتا اس کے غلط فیصلوں نے پہلے مجھے برباد کیا پھر سعد کو بھی تباہ کر دیا، یہ آسائشیں میری تمنا نہیں تھیں نہ مجھے خوش کر سکتی تھیں، ایمن کی خواہش یہی چیزیں تھیں اور وہ یقیناً انہیں پا کر خوش ہوتی، مجھے محبت کی چاہ تھی اور سعد کے بجائے کسی اور مرد سے شادی کرنے کی صورت میں مجھے وہ مل جاتی سعد کو ایمن کی ضرورت تھی اور اس کمی کو دنیا کی کوئی چیز پر نہیں کر سکتی تھی۔ حدید جانتا تھا کہ میں اس کی ماں نہیں ہوں، میں نے اس بارے میں اس سے جھوٹ نہیں بولا تھا، ہاں مگر میں نے ایمن کے بارے میں اس سے کہا تھا کہ وہ مر چکی ہے کیونکہ سعد یہی چاہتا تھا، پتا نہیں کیوں مگر حدید نے

کبھی اپنی ماں کے بارے میں مجھ سے زیادہ پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔اس کی اپنی زندگی تھی اپنی سرگرمیاں تھیں اور وہ ان ہی میں مصروف رہتا تھا۔وہ بہت brilliantاسٹوڈنٹ تھا،اور جتنا قابل تھا اتنا ہی محنتی تھا۔

مجھے بچپن میں اس کی اسٹڈیز پر کافی توجہ دینی پڑتی تھی مگر جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا وہ خود ہی اسٹڈیز کو بہت سنجیدگی سے لینے لگا۔میں چاہتی تھی وہ سول سروسز میں جائے لگر سعد یہ نہیں چاہتا تھا وہ اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیجنا چاہتا تھا،اور چاہتا تھا کہ وہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس کا بزنس سنبھالے مگر حدید نے اپنی راہ خود چن لی تھی وہ پاکستان میں ہی رہ کر اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتا تھا اور پھر سول سروس جوائن کرنا چاہتا تھا۔

ماما میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا اور ویسے بھی جب بعد میں یہیں رہنا ہے تو اب کیوں باہر جاؤں۔اس کا جواب بڑا دوٹوک تھا اور پھر سعد کے لاکھ کہنے اور چیخنے چلانے کے باوجود وہ باہر نہیں گیا۔

اس نے ایم بی اے کیا تھا اور پھر مقابلے کا امتحان پاس کر کے اس نے پولیس سروس جوائن کرلی تھی میں اس کے اس فیصلے سے بہت پریشان ہوئی تھی پولیس کی جاب میں ہمیشہ جان کا خطرہ رہتا تھا اور میں حدید کو کسی صورت گنوانے پر تیار نہیں تھی۔میرے پاس اس کے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں، مگر حدید میری بات ماننے پر تیار نہیں ہوا۔

مقابلے کے امتحان میں ٹاپ کرنے کے باوجود اس نے پولیس سروس ہی جوائن کی۔ان دنوں میں بہت خوش رہتی تھی وہ ٹریننگ کے لئے سہالہ میں تھا اور میں اپنے آپ کہ ساتویں آسمان پر بیٹھے محسوس کرتی تھی۔اب میں کوئی بے سہارا عورت نہیں تھی اب میں سعد کی محتاج نہیں رہی تھی۔میرا اپنا بیٹا میرا بوجھ سنبھال سکتا تھا میرے پاس میرا حدید تھا۔

اور پھر جیسے کوئی معجزہ ہوگیا تھا، بہت آہستہ آہستہ مگر آخر سعد کے وجود پر جمی ہوئی برف پگھلنے لگی تھی۔وہ پہلے کی طرح مجھے

نظر انداز نہیں کرتا تھا مجھ سے گاہے بگاہے بات کرتا رہتا۔

وہ خاموشی جو اتنے سالوں سے اس پر چھائی ہوئی تھی یک دم ٹوٹ گئی تھی وہ ہر بات میں تو نہیں مگر زیادہ تر باتوں میں میری رائے لینے لگا تھا میں یہ سوچ رہی تھی کہ آخر میری محنت رنگ لے آئی تھی، میرا صبر رائیگاں نہیں گیا دیر سے ہی سہی مگر میں اس کا دل جیتنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

وہ ڈیڑھ سال بہت اچھا گزرا تھا یوں لگتا تھا جیسے ہر چیز اپنے ٹھکانے پر آ گئی ہو جیسے دنیا ایک دم روشن ہو گئی، میں، سعد اور حدید، کیا دنیا میں اس سے بڑھ کر کچھ تھا کم از کم میرے لئے نہیں تھا، کیا تھا اگر عمر کے اتنے سال ضائع ہوئے تھے، کیا تھا اگر سب کچھ گنوایا تھا زندگی اتنی سی محبت کے سہارے بڑے آرام سے گزاری جا سکتی تھی جو مجھے ملی تھی۔

میں ان دنوں حدید کے لیے رشتے دیکھنے میں مگن تھی وہ

چھبیس سال کا ہو گیا تھا اور میں چاہتی تھی کہ اب اس کا گھر بس جائے۔شادی کے معاملے میں اس کی اپنی کوئی پسند نہیں تھی یہ کام اس نے مجھ پر چھوڑ دیا تھا سعد ان دنوں ایک بزنس ٹرپ کے سلسلے میں امریکہ گیا ہوا تھا اور وہاں سے واپس آنے کے بعد وہ بہت مصروف ہو گیا تھا ان ہی دنوں حدید کی اے ایس پی کے طور پر پہلی پوسٹنگ ہوئی تھی اور وہ ایبٹ آباد چلا گیا گھر ایک دم بہت سونا ہو گیا تھا۔

سعد اپنے کاموں میں مصروف تھا اور رات دیر گئے واپس آتا اور بعض اوقات تو اسے دو تین ہفتوں کے لئے باہر جانا پڑ جاتا تین چار ماہ اس ہی طرح گذر گئے تھے حدید ایک بار بھی گھر نہیں آ سکا وہ اپنی جاب میں اس قدر مصروف تھا کہ اسے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔فون وہ اکثر کیا کرتا تھا اور ہر دفعہ جب میں اسے بلانے پر اصرار کرتی تو وہ مجھے اپنے مسائل بتاتا اور میں قائل ہو جاتی۔

پھر ایک دن اس نے مجھے فون کیا اور زیادہ تر سعد کے

بارے میں ہی پوچھتا رہا، اس کا لہجہ بہت عجیب، بہت الجھا ہوا تھا، مجھے لگا جیسے وہ بہت پریشان ہے، مگر پریشان کیوں تھا یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے سوچا شاید گھر سے دوری اس کا باعث ہے اس لیے میں نے اسے جلد از جلد گھر آنے کو کہا۔ آؤں گا ممی آؤں گا آپ فکر نہ کریں۔

اس نے کہا تھا اور دو دن بعد وہ اچانک صبح سویرے گھر آ گیا تھا وہ بغیر ہمیں بتائے کمرے میں جا کر سو گیا تھا۔

میں اس وقت سعد کو آفس کے لئے تیار کروا رہی تھی جب ملازم نے مجھے اس کے بارے میں بتایا۔

میں فوراً اسے دیکھنا چاہ رہی تھی مگر پھر یہ سوچ کر دل پر قابو پا لیا کہ وہ اتنا لمبا سفر کر کے آیا ہے تھکا ہوا ہوگا۔ ہم لوگ اس وقت ناشتہ کر رہے تھے جب سفید کرتے اور بلیک جینز میں ملبوس وہ نیچے آ گیا تھا وہ بہت خاموش تھا مجھے اور سعد کو بہت گہری نظروں سے

دیکھ رہا تھا ہمارے ساتھ اس نے ناشتہ کیا تھا پھر سعد جب آفس جانے لگا تو اس نے کہا۔

مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ آپ ابھی آفس نہ جائیں۔

اس نے سعد سے کہا تھا اور پھر وہ دونوں مجھ سے کچھ بغیر اسٹڈی میں چلے گیئے میں کچھ دیر تک ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی رہی مگر پھر بے اختیار سی ہو کر میں ان کے پیچھے گئی تھی۔اسٹڈی کا دروازہ پوری طرح بند نہیں تھا شاید حدید کوئی راز داری برتنا نہیں چاہتا تھا، اندر سے آنے والی آوازیں واضح تھیں۔

تو آپ نے میری ماں کو طلاق کیوں دی۔

مجھے لگا چند لمحوں کے لئے زمین کی گردش تھم گئی تھی۔میں نے زندگی میں بس ایک ہی جھوٹ بولا تھا اور وہ کہاں آ کر آشکار ہوا تھا حدید کی آواز میں بہت برہمی تھی۔

ہم دونوں میں انڈر اسٹینڈ نگ نہیں تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد سعد نے جواب دیا تھا۔

کس انڈر اسٹینڈ نگ کی بات کر رہے ہیں آپ، جنہیں اب آپ نے بیوی بنا کر رکھا ہے کیا ان کے ساتھ انڈر اسٹینڈ نگ ہے آپ کی حدید کی آواز میں تمسخر تھا میں نے دیوار کے ساتھ سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

کیا تم ایمن سے ملے ہو۔ سعد نے بہت ہلکی آواز میں سوال کیا تھا۔

ابھی تک تو نہیں مگر ملوں گا ضرور۔ حدید نے بلند آواز میں کہا تھا اور میرے دماغ میں بہت سالوں پہلے ایمن کی کہی ہوئی بات گونجی تھی۔

میں چیزوں کو چھینتی نہیں ہوں وہ خود میری طرف آجاتی ہیں۔

میں مزید کچھ سنے بغیر واپس آ گئی تھی۔ تو کیا میں حدید کو بھی کھو دوں گے۔ میں نے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر سوچا تھا۔

تو پھر باقی رہے گا کیا بہت دیر تک میں خالی الذہنی کے عالم میں وہاں بیٹھی رہی ایک بار عالیہ نے مجھ سے کہا تھا۔

جتنا خود کو اس سے بہلا لو جب اسے ماں یاد آئے گی تو تمہاری کوئی یاد باقی نہیں رہے گی۔

کیا واقعی ایسا ہی ہو گا میں نے خود سے پوچھا تھا، کافی دیر بعد سعد نیچے آیا تھا اور مجھ سے کچھ کہے بغیر اپنا بریف کیس اٹھا کر چلا گیا میں اسے چھوڑنے دروازے تک نہیں گئی۔ بس اپنی اس مشکل کا حل سوچتی رہی، میں اس پر کیا پڑھ کر پھونکوں کہ وہ ایمن کو بھول جائے اس کے بارے میں بات تک نہ کرے، وہ بس وہی حدید بن جائے میری انگلی پکڑ کر چلنے والا۔

نہیں میں اس پر ظاہر نہیں کروں گی کہ میں نے کچھ سنا ہے

جب تک پردہ ہے پردہ ہی رہنا چاہیے۔ میں نے بالآخر طے کیا تھا اس دوپہر میں نے اپنے ہاتھ سے حدید کے سارے پسندیدہ کھانے پکائے تھے مگر اس سے پہلے کہ میں اسے جگانے جاتی وہ خود لاؤنج میں آ گیا تھا، وہ یونیفارم میں ملبوس تھا اور جب میں نے اسے کھانے کے لیے کہا تو ایک بے تاثر چہرے کے ساتھ اس نے کہا تھا۔

مجھے بھوک نہیں ہے ایک ضروری کام ہے اس کے لیے مجھے جانا ہے۔ میں نے بہت اصرار کیا تھا مگر وہ اپنا بیگ لے کر گیراج میں چلا گیا میں اس کے ساتھ ہی باہر آ گئی تھی۔

اب کب آؤ گے؟ میں نے اس سے پوچھا تھا۔

پتا نہیں۔ اس کا لہجہ بہت سپاٹ تھا۔ وہ کار کے کھلے دروازے پر ہاتھ جمائے مجھے دیکھتا رہا مجھے یوں لگا جیسے وہ جانے سے پہلے مجھے کچھ کہنا چاہ رہا تھا میں کٹہرے میں کھڑے مجرم کی

طرح سزا سننے کے انتظار میں اسے دیکھتی رہی مگر اس نے کچھ نہیں کہا وہ گاڑی میں بیٹھ کر پہلی بار مجھے خدا حافظ کہے بغیر چلا گیا اور میں بہت دیر تک کھلے گیٹ کو دیکھتی رہی۔ مجھے لگا جیسے وہ اب کبھی نہیں آئے گا۔

نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے، میں نے اتنی محبت دی ہے اسے،اس کے لیے اپنی زندگی اپنی خوشیاں قربان کر دیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ مجھے چھوڑ دے۔ میں نے خود کو تسلی دی تھی اور اندر آ گئی تھی۔

دن پھر گزرنے لگے تھے۔ میں ہر روز حدید کو فون کرتی ہنس ہنس کر اس سے باتیں کرتی بالکل اس ڈوبنے والے کی طرح جو ڈوبنے سے پہلے ایک گہرا سانس ضرور لیتا ہے پتا نہیں میں کس کو دھوکا دے رہی تھی خود کو یا حدید کو میں نہیں جانتی بس میں یہ چاہتی تھی کہ کوئی ایمن میرے اور حدید کے درمیان نہ آئے مگر۔۔۔۔۔۔ایسا ہوا نہیں۔

حدید ایمن سے ملنے گیا تھا اس نے مجھے بتایا نہیں پھر بھی میں جان گئی۔ اب مجھے حدید کے آنے کی خوشی نہیں ہوتی تھی میں اسے دیکھتی اور ایک عجیب سا خوف مجھے اپنے حصار میں لے لیتا میں اسے دیکھتی رہتی مجھے لگتا ابھی وہ مجھ سے لاتعلقی کا اظہار کر دے گا ابھی وہ کہے گا کہ اسے مجھ سے نفرت ہے کیونکہ میں اس کی ماں نہیں ہوں مگر ایسا ہوا نہیں اس کا انداز بہت عجیب تھا، وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ جاتا تھا بالکل اپنی ماں کی طرح۔

وہ مجھے عجیب نظروں سے دیکھتا تھا، پتا نہیں کیا ہوتا تھا اس کی آنکھوں میں، میرا دل چاہتا تھا میں چیخ چیخ کر روؤں، اسے کہوں کہ میں بے اس پر کوئی ظلم نہیں کیا میں نے اس کی ماں سے کوئی زیادتی نہیں کی ہے مگر وہ کچھ پوچھتا ہی نہیں تھا، اس کی ماں زباں سے سب کچھ کہہ دیتی تھی وہ آنکھوں سے سب بیان کر دیتا تھا ایمن کی بات چبھتی نہیں تھی اس کی ان کہی مجھے خنجر کی طرح کاٹ دیتی تھی۔

ان ہی دنوں سعد مجھ سے اکھڑا اکھڑا رہنے لگا تھا، وجہ کیا تھی میں نہیں جانتی تھی، نہیں شاید میں جانتی تھی بس یقین نہیں کرنا چاہتی تھی حدید جب بھی آتا وہ سعد کے ساتھ تنہائی میں لمبی لمبی گفتگو کیا کرتا تھا اور بعض دفعہ وہ لڑ بھی پڑتا تھا، اس کی آواز اسٹڈی سے باہر تک آتی اور میرا دل دہل جاتا۔

میں نے کبھی دوبارہ ان کی باتیں سننے کی کوشش نہیں کی اتنا حوصلہ ہی کہاں تھا، اس عمر میں جب بڑے سے بڑے شخص کو بھی کچھ آرام مل جاتا تھا میں سکون سے محروم ہوگئی تھی، حدید نے ایک دن مجھے کہا تھا۔

آپ ۔۔۔۔۔۔ آپ بہت احمق ہیں۔

پھر وہ برہم انداز میں باہر چلا گیا تھا، یہ واحد جملہ تھا جس نے مجھے تکلیف پہنچائی تھی ورنہ مجھے اس سے کبھی بھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی میں نے اس دن کچھ نہیں کھایا تھا۔

ہاں میں واقعی احمق ہوں۔ اپنے چہرے کی جھریاں گنتے ہوئے میں نے اس دن اپنے آپ سے کہا تھا۔

حدید نے کہا ہے تو ٹھیک ہی ہوگا وہ غلط کہاں کہتا ہے۔

اس دن سعد آفس نہیں گیا تھا، میں بہت حیران تھی سعد تو بیمار ہونے کی صورت میں بھی آفس کا ایک چکر ضرور لگاتا تھا مگر اس دن تو اس نے بغیر کسی وجہ کے چھٹی کر لی تھی، وہ صبح دیر تک سوتا رہا پھر دوپہر کے قریب وہ کھانا کھانے کے لیے نیچے آیا تھا۔ بہت بے ڈھنگے انداز میں اس نے کھانا کھایا، یوں لگتا تھا جیسے وہ ذہنی طور پر کہیں اور ہے۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے مجھے کہا تھا۔

تم اوپر آؤ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

میرا سانس رک گیا تھا۔

اب اسے مجھ سے کیا باتیں کرنی ہیں؟ مگر میں اس کی بات

سننے کے لیے چلی گئی تھی اس نے مجھے کہا تھا۔ میری بات غور سے سننا مریم ،صبر سے اور حوصلے سے۔ پھر اس نے مجھے دیکھے بغیر ایک لفافہ میرے پاس بیڈ پر رکھ دیا تھا۔

تم اچھی ہو بہت اچھی ہو مگر میں ایمن سے محبت کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہوں ،اس کے بغیر میں نے جتنے سال گزارے ہیں جہنم میں گزارے ہیں اور میں اب اس جہنم سے تنگ آ گیا ہوں تھک گیا ہوں، میں تمھیں طلاق نہیں دینا چاہتا تھا مگر اس کے بغیر میں ایمن سے شادی نہیں کر سکتا، اس لیے میں نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ تین دن پہلے میں نے ایمن سے شادی کر لی ہے۔

اس لفافے میں طلاق کے کاغذات ہیں ایک فلیٹ کے کاغذات بھی ہیں اور کچھ چیکس بھی، تمھیں کوئی مالی مسئلہ نہیں ہو گا، اس گھر سے تم جو لے جانا چاہتی ہو لے جاؤ، جتنا لے جا تا چاہتی ہو لے جاؤ تمھیں اجازت ہے۔

میں بے یقینی کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی وہ میرے قریب بیڈ پر بیٹھا تھا اس کے اور میرے درمیان بس وہ لفافہ تھا اور یہ فاصلہ کتنا طویل تھا۔

تم نے تو اس سے دھوکا کھایا تھا۔ مجھے اپنی آواز کسی اندھے کنوئیں سے آتی سنائی دی تھی۔

میں نے اسے معاف کر دیا ہے، وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہے اور پھر غلطی تو ہر ایک سے ہو جاتی ہے۔ وہ کتنا پرسکون تھا کتنا عظیم تھا، وہ سب کی غلطیاں معاف کر دیتا تھا، ایمن سب کی غلطیاں معاف کر دیتی تھی، حدید سب کی غلطیاں معاف کر دیتا تھا اور اللہ سب کی غلطیاں معاف کر دیتا تھا، بس ایک میں تھی جسے کوئی بخشنے پر تیار نہیں تھا۔

اور حدید۔ میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا تھا۔

وہ بھی یہی چاہتا ہے۔ کوئی چیز میرے گالوں کو بھگونے

لگی۔

وہ بھی یہی چاہتا ہے۔ میں نے زیر لب دہرایا تھا پھر میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی کسی معمول کی طرح چلتی ہوئی میں کمرے سے باہر آ گئی۔

مریم یہ پیپرز لے لو۔ اپنے پیچھے مجھے سعد کی آواز سنائی دی تھی مگر میں چلتی رہی۔

مریم میں کہہ رہا ہوں یہ لے لو۔ وہ میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

میں انہیں کیا کروں یہ مجھے کیا دیں گے۔ میں نے اسے کہا۔

میں نہیں جانتا تم تماشا نہ کرو بس لے لو۔ اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا تھا میں نہیں جانتی پھر مجھے کیا ہوا تھا بس میں

پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے اسے بد دعائیں دینے لگی تھی۔

اللہ کرے سعد تم مر جاؤ سب مر جاؤ ایمن، تم، حدید سب یہ گھر برباد ہو جائے۔ میں کیا کروں اس لفافے کو لے کر بتاؤ، میں کیا کروں، تم نے اس عمر میں میرے سر سے چادر کھینچ لی ہے، میرا بیٹا چھین لیا ہے، مجھے گھر سے محروم کر دیا ہے اور تم کہتے ہو میں یہ لفافہ لے لوں کیا یہ ان سب چیزوں کی کمی پوری کر دے گا۔ لاؤ، لاؤ میں لے لیتی ہوں اسے لے لیتی ہوں۔

میں نے بات کرتے کرتے لفافہ اس سے جھپٹ لیا تھا اور پھر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سیڑھیوں میں پھینک دیے، سعد وہیں سیڑھیوں میں ہی کھڑا رہا تھا وہ میرے پیچھے نہیں آیا میں بلند آواز سے روتی باتیں کرتی ہوئی نیچے اتر آئی گھر کے سب نوکر ہکا بکا مجھے دیکھ رہے تھے، شاید وہ جان گئے ہوں گے کہ اب میری اوقات اس گھر میں ان کے برابر بھی نہیں رہی تھی میرے مالک میرے آقا نے مجھے نکال کیا تھا اور وہ بھی تب جب مجھے ایک چھت کی سب

سے زیادہ ضرورت تھی کوئی اس عمر میں کسی کو اس طرح بے عزت کرتا ہے جیسے اس نے مجھے کیا۔

میں لوگوں کے سامنے کیسے جاؤں گی؟ میں کیا جھوٹ بولوں گی؟ میں کیا بتاؤں گی؟ سوالوں کی ایک آگ میرے وجود کو جلا رہی تھی میں نے کون سی نیکی کون سا ایثار نہیں کیا مجھے اس کا کیا اجر ملا؟

میں نے تمھارے لیے کون سی قربانی نہیں دی، تمہاری کون سی اذیت برداشت نہیں کی، پچھلے پچیس سالوں سے تمہارے ساتھ رہی ہوں، یہ ایمپائر تم نے میری وجہ سے کھڑی کی ہے۔ یہ گھر یہ گاڑیاں یہ دولت تمہارے جسم پر موجود کپڑے تک میری بدولت ہیں۔ میری قربانی، میرے ایثار، میرے صبر کی بدولت ورنہ تم تھے کیا، میں نے حدید کو جاگ جاگ کر پالا ہے، میں نے اسے چلنا اسے ہنسنا اسے بولنا سکھایا ہے، میں نے اسے اس قابل بنایا ہے جو وہ آج ہے، تم نے نہیں ایمن نے نہیں، تم لوگوں نے بس اسے پیدا

کیا ہے، مگر وہ نمک حرام، احسان فراموش تھا، آخر تم لوگوں کا خون تھا اسے یہ سب تو کرنا ہی تھا، میں ہی بھول گئی کہ وہ بھی سانپ ہے تمہارے جیسا ایمن جیسا۔

میں بلند آواز سے چلاتی ہوئی الٹے قدموں لاؤنج سے نکل گئی تھی وہ میرے پیچھے نہیں آیا کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آیا، میں پاگلوں کی طرح دوڑتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی۔

پچیس سال کے جمع کیے ہوئے آنسو آج ابل پڑے تھے پھر انہیں روکنا ان پر بند باندھنا میرے بس سے باہر تھا، اپنا خون اپنا ہی ہوتا ہے، مجھے یقین نہیں آتا تھا اس بات پر مگر حدید نے اسے ثابت کر دیا تھا، پتا نہیں میرا دوپٹہ اور جوتا کہاں رہ گئے تھے مجھے بس یہ یاد ہے کہ میں کسی سڑک پر بے تحاشا بھاگ رہی تھی۔ گاڑیاں مجھے سامنے دیکھ کر بریک لگاتیں ان کے ڈرائیور اونچی آواز سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے اور میں بس بھاگتی جا رہی تھی۔

پتا نہیں میں کب تک اس طرح بھاگتی رہی، ہاں مجھے یاد ہے کہ اس وقت اندھیرا تھا اور میں شہر سے باہر جانے والے کسی راستے پر سڑک کے کنارے گر کر رونے لگی تھی، مجھے حدید یاد آ رہا تھا، اس نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ میں نے اس سے کتنی محبت کی ہے۔ ساری ساری رات میں اسے گود میں لے کر بیٹھی رہا کرتی تھی۔ اسے خراش آتی تو مجھے لگتا تھا جیسے کسی نے مجھے زخمی کر دیا ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آتے تو مجھے لگتا دنیا ڈوب رہی ہے وہ ایک وقت کھانا نہ کھاتا تو مجھے سارا دن بھوک نہ لگتی۔

وہ بھی یہی چاہتا ہے۔ سعد کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ میں اوندھے منہ کچی زمین پر پڑی بلک رہی تھی۔

تم بھی ایمن کے ہو، سعد بھی ایمن کا ہے تو میرا کیا ہے، میرا کیا ہے، اب تمہاری ساری محبت ساری توجہ ایمن کے لیے ہو گی، وہ تمہاری شادی کرے گی، تمہارے بال بچے پالے گی اور پھر جب بوڑھی ہو گی تو تم اس کو ہتھیلیوں پر اٹھا کر رکھو گے اور میں یونہی

پھروں گی۔

میں خود سے باتیں کر رہی تھی اور ہر بات میرے دل پر ایک اور خراش لگا رہی تھی۔

اماں اماں کون ہو تم ؟ یہاں اس طرح کیوں رو رہی ہو؟ آئی کیسے ہو یہاں۔

ایک آواز نے مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، ایک لمبا سا آدمی میرے سر پر کھڑا تھا۔

سڑک پر کھڑی اس کی ٹرالی کی لائیٹس روشن تھیں اور اس روشنی میں اس کی صورت بہت واضح تھی۔

میرا شوہر فوت ہو گیا ہے آج میرے بیٹے نے مجھے گھر سے نکال کیا۔ پتا نہیں میں نے کیا سوچا تھا اور یہ کہا تھا۔ پتا نہیں میں نے کیوں کہا مگر مجھے یاد ہے میں نے بہت بلند آواز سے جیسے کوئی

گلہ اس سے کیا تھا اس نے مجھے کہا تھا۔

دفع کرو اماں ایسی اولاد کو، اولاد نہ ہوئی کتا ہو گیا۔ تم میرے ساتھ چلو میں تمھیں اپنے پاس رکھوں گا۔

پتا نہیں مجھے کیا ہوا تھا مگر میں ایک دم اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی اس نے اپنی چپل مجھے پہنا دی اور پھر ٹرالی میں بٹھا کر ایک چادر نکال کر مجھے اوڑھا دی سارے راستے ٹرالی چلاتے ہوئے وہ مجھے پتا نہیں کیا بتا تا رہا۔ مجھے کچھ سنائی نہیں دیا تھا پھر وہ مجھے اپنے گھر لے آیا تھا گھر میں اس کی اپنی ماں بھی تھی، مجھے دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی مگر میرے تعارف نے اس کے چہرے پر نرمی بکھیر دی تھی اس نے مجھے لپٹا لیا تھا۔

''تینوں رون دی کی لوڑ اے۔ گھروں کڈیا اے دنیا وچوں تے نہیں، توں ساڈے نال رہ جو روٹی ٹکر اسی کھانے آں تو وی کھا لی۔) تمھیں رونے کی کیا ضرورت ہے گھر سے نکالا ہے ناں، دنیا

سے تو نہیں، تم ہمارے ساتھ رہو جو دال روٹی ہم کھاتے ہیں تم بھی کھا لینا۔ (میں سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس کی بات کا جواب دیے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

اپنی اولاد ایسی ہی ہوتی ہے اور اس پر ایسا ہی مان ہوتا ہے۔ جیسا اسے ہے کتنے آرام سے کہہ رہی ہے کہ میں اس کے پاس رہ جاؤں اور ایک میں ہوں کہ میری سوچوں کا سلسلہ اس کی آواز نے توڑ دیا تھا

توں اندر آ میں تینوں کپڑے دینی آں او بدل لے تے نالے روٹی وی کھا لے۔

(تم اندر آ جاؤ میں تمہیں کپڑے دیتی ہوں وہ بدل لو اور کھانا بھی کھا لو۔)

پھر اس نے میرے کپڑے بدلوائے تھے اور زبردستی چند لقمے مجھے کھلا دیے تھے پھر اپنے پاس ہی اس نے میری چارپائی بچھا

دی، میری آنکھوں میں نیند نہیں تھی کچھ بھی نہ تھا نہ خواب نہ امیدیں اور نہ ہی آنسو سب کچھ ختم ہو گیا بس میں آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔

اس کے بیٹے کا نام اکبر تھا وہ اسکا اکلوتا بیٹا تھا، اکبر سے چھوٹی دو بہنیں تھیں اور وہ تینوں شادی شدہ تھے۔ اکبر کے تین بچے تھے دو بیٹے اور ایک بیٹی اور اس کی بیوی اس دن بچوں کے ساتھ میکے گئی ہوئی تھی، اکبر کے باپ کا کافی سال پہلے انتقال ہو گیا تھا اور اس کی وفات کے بعد اکبر ہی اس کی زمین پر کاشت کاری کرتا تھا، وہ کوئی بہت بڑا زمیندار نہیں تھا بس اوسط حیثیت کا مالک تھا لیکن وہ سب خوش تھے اس سے بھی جوان کے پاس تھا اور اس پر بھی جوان کے پاس نہیں تھا

پتا نہیں میں وہاں کتنے دن رہی، وقت ایک دم میرے لئے اپنے معنی کھو چکا تھا بلکہ ہر چیز ہی اپنی اہمیت کھو چکی تھی، بس مجھے یہ پتا تھا کہ میں زندہ ہوں اس سے آگے کیا تھا کچھ معلوم نہیں، میں روتی نہیں تھی میں ہنستی بھی نہیں تھی بس میں خاموش رہتی تھی۔

سارا دن کمرے کے ایک کونے میں پڑی رہتی کوئی زبردستی کھانا کھلاتا تو چند لقمے زہر مار کر لیتی، کوئی کپڑے بدلواتا تو بدل لیتی اور بس۔

اکبر مجھے کہتا میں اسے اپنا بیٹا سمجھوں مگر میں ایسا کیسے کرتی جسے بیٹا سمجھا تھا اس نے کیا کیا، اسے بیٹا سمجھتی تو وہ بھی کچھ ویسا ہی کرتا اس کی بیوی اور بچے بھی میرا بہت خیال کرتے تھے۔ بار بار میرے پاس آتے میرا دل بہلانے کی کوشش کرتے تھے مجھے اپنے ساتھ باتیں کرنے پر اکساتے مگر مجھے یہ سب نہیں آتا تھا، میری آنکھوں کے سامنے تو ہر وقت حدید کا چہرہ رہتا تھا۔

میں سوچتی تھی اس وقت وہ سب کیا کر رہے ہونگے یقیناً بہت خوش ہونگے۔ سعد، ایمن، حدید ان کا خاندان تو مکمل ہو گیا تھا، جو بچھڑا تھا مل گیا تھا وہ سب کو ہنستے ہوں گے، ایمن اور سعد کو حدید پر فخر ہو گا کہ اس نے اپنے ماں باپ کو ملا دیا اور حدید خوش ہو گا کہ اسے اس کی ماں مل گئی تھی پھر میری اسے ضرورت ہی کیا رہ گئی تھی

واقعی ماں تو ماں ہوتی ہے اور میں تو بس آیا تھی پالنے والی کا احسان ہی کیا ہوتا ہے جو میں جتاتی۔

سوچیں سانپوں کی طرح میرے ذہن کو ڈستی رہتی تھیں اور میں تاریک کمرے کے ایک کونے میں آنکھیں بند کئے پڑی رہتی تھی۔

نہ جانے کتنے دن گزر گئے تھے، مجھے اس اندھیرے تاریک کمرے میں کچھ اندازہ ہی نہیں تھا پھر ایک دن دل چاہا وہاں سے نکلنے کو، سورج کی روشنی دیکھنے کو، اس کی حدت محسوس کرنے کو اور میں اٹھ کر باہر آ گئی تھی، چند لمحوں کے لئے روشنی نے میری آنکھوں کو چندھیا دیا تھا پھر آہستہ آہستہ آنکھوں کو کھولتے ہوئے میں نے اردگرد کے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

دور ایک کونے میں اکبر کی بیوی تندور میں روٹیاں لگا رہی تھی اور اس سے کچھ فاصلے پر اس کے بچّے چوزوں کے ساتھ کھیل

رہے تھے، میں آہستہ آہستہ اور باہر آ گئی، پکی زمین کو مٹی سے لیپا گیا تھا، بہت اچھا لگا تھا مجھے اس نیم گرم زمین پر ننگے پاوں چلنا صحن کے وسط میں آ کر میں زمین کو ٹٹولتی رہی پھر میں ٹانگیں سکیڑ کر کروٹ کے بل زمین پر لیٹ گئی۔

نیم گرم زمین نے میرے جسم کو عجیب سا سکون دیا تھا، میں اس طرح ٹانگیں سکیڑے آنکھیں بند کیئے زمین پر پڑی رہی۔

ماں چارپائی بچھا دیتی ہوں یہاں زمین پر کیوں لیٹ گئیں اکبر کی بیوی کی آواز اچانک میرے قریب ابھری تھی۔

نہیں ٹھیک ہے۔ میں نے نامکمل سا جواب دیا تھا کچھ دیر تک وہ اصرار کرتی رہی مگر میرے خاموش رہنے پر وہ چلی گئی تھی۔ جان گئی تھی کہ میں وہی کروں گی جو چاہتی ہوں، تھوڑی دیر بعد کسی نے ایک گرم چادر مجھ پر اوڑھائی تھی میں جانتی تھی یہ اکبر کی بیوی ہو گی، میں نے چادر سے اپنے چہرے اور کندھوں کو اچھی طرح

ڈھانپ لیا۔

ایک عجیب سی خاموشی اور سکوت تھا ہر طرف، کبھی کبھی اس خاموشی کو اکبر کے بچوں کی آوازیں توڑ دیتی تھیں مگر پھر ان کی ماں ڈانٹ کر انہیں خاموش کرا دیتی تھی۔

کیا میں نے کبھی سوچا تھا کہ میری منزل یہ ہو گی، ماربل کے فرش پر چلتے چلتے میں خاک کی زمین پر سونے لگی تھی، اگر میری زمین کا حاصل یہ ہوتا تو پھر یہ پچھلے پچیس سال کی محنت کس لئے، میں نے ان سے کیا پایا اور جو یوں ہونا تھا تو یوں ہی سہی آخر اس میں بھی برا کیا ہے کس کس کا ماتم میں کتنی دیر مناؤں گی۔ سعد کا، ایمن کا، گھر کا یا پھر حدید کا، مجھے پھر حدید یاد آ گیا تھا، ہر بات کا سلسلہ وہیں جا کر رکتا تھا، ہر تان وہیں ٹوٹتی تھی، نہ جانے وہ کیا کر رہا ہو گا پتا نہیں اسے میرا خیال بھی آتا ہو گا کہ نہیں کبھی کبھی تو مجھے یاد کرتا ہو گا۔

میں نے ایک خوش فہمی سے خود کو بہلانا چاہا، کتنا خوش ہوگا وہ ایمن کے ساتھ، اس کی یہ کمی بھی پوری ہوگئی تھی، میں واقعی احمق تھی جو یہ سمجھتی رہی کہ میں نے اس کی ہر کمی پوری کردی ہے اب وہ میرے علاوہ کسی کے بارے میں سوچتا ہی نہیں ہوگا، مگر ایسا نہیں تھا میں نے چہرے پر سے چادر ہٹائی۔

ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ کسی کی آواز میرے پاس گونجی تھی میں نے پھر سے چہرے کو ڈھانپ لیا، کوئی میرے قریب آیا تھا پھر کسی نے میرے پیروں پر ہاتھ رکھا تھا، میں نے سوچا یہ اکبر کا چھوٹا بیٹا ہوگا وہ اکثر پیروں سے ہی کھیلتا تھا، میں نے اسے روکا نہیں بس اسی طرح لیٹی رہی پھر کسی نے اچانک میرے پیروں کو چومنا شروع کردیا، میں ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

میرے پیروں میں گھٹنوں کے بل جھکا ہوا شخص حدید تھا صرف ایک لمحے کے لئے میں ساکت ہوئی تھی، پھر تیزی سے میں نے اپنے پیر کھینچ لیے وہ سیدھا ہوگیا میری اور اس کی نظریں ٹکرائیں

تھیں، بہت عجیب سی کیفیت تھی اس کی آنکھوں میں۔

آپ کہاں چلی گئی تھیں مجھے اس طرح چھوڑ کر۔

میں نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر اٹھنے کی کوشش کی اس نے مجھے روکنے کے لئے میرے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا مگر میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

مجھے ہاتھ نہ لگاؤ تم میرے لگتے کیا ہو۔ میں غرائی اور وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہو گیا تھا بہت بے یقینی کے عالم میں اس نے مجھے دیکھا، میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

آپ کو ہوا کیا ہے وہ میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

میں پاگل ہو گئی ہوں۔ میں نے یہ کہتے ہوئے اندر جانے کی کوشش کی تھی۔

ممی۔ میں اس کی بات پر بھڑک اٹھی تھی۔ مجھے ممی مت کہو،

تمہاری ماں نہیں ہوں، تم سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے تمہاری ماں وہ ہے جس کے لیے تم نے مجھے طلاق دلوادی۔

آپ کیا کہہ رہی ہیں مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔

میں نے جواب دیئے بغیر اندر جانے کی کوشش کی مگر اس نے میرے بازو پکڑ لئے۔

آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہیں کیا غلط فہمی ہو گئی ہے آپ کو میرے خلاف۔ وہ میرے بازو پکڑے گڑگڑا رہا تھا مگر میں اس کی کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھی نہ اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میں خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتی رہی مگر اس نے مجھے بہت مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا میں کسی طرح بھی اس سے خود کو نہیں چھڑا پا رہی تھی۔

ایک عجیب سی ہیجانی کیفیت مجھ پر سوار ہو گئی تھی پتا نہیں کیا ہوا کہ میں نے خود کو چھڑانا بند کر دیا اور پھر پتا نہیں کیسے میں اسے

مارنے لگی تھی میں نے اس کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ بے یقینی کی ایک عجیب سی کیفیت تھی اس کے چہرے پر مگر اس نے مجھے چھوڑا نہیں نہ ہی مجھے روکنے کی کوشش کی بس خاموشی سے مار کھاتا رہا۔

میرا دل چاہ رہا تھا میں اس کی خوبصورت شکل بگاڑ دوں وہ چہرہ جو ہمیشہ مجھے ایمن کی یاد دلاتا تھا میں اس کے چہرے کو مٹا دینا چاہتی تھی اس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا، ناک میں سے خون نکلنے لگا تھا چہرے پر جا بجا میرے ناخنوں سے پڑنے والی خراشیں نظر آ رہی تھیں قمیص کے بٹن ٹوٹ گئے تھے مگر وہ بڑی ثابت قدمی سے اسی طرح مجھے پکڑے ہوئے مار کھاتا رہا۔

صحن میں اکبر سمیت اس کا پورا خاندان کھڑا تھا، دیوار پر ہمسایوں کی کچھ عورتیں جھانک رہی تھیں وہ سب بے حس و حرکت یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ میں نے اسے بہت مارا تھا، بہت گالیاں دی تھیں وہ سب جو پچھلے پچیس سال سے میرے اندر جمع ہو گیا تھا وہ

میں اس دن نکال رہی تھی وہ سب جو میں دوسروں سے کہنا چاہتی تھی وہ میں نے اسے کہہ دیا تھا۔

اسے مارتے مارتے میرے ہاتھ دکھنے لگے تھے۔ میری ساری ہمت جواب دے گئی تھی اس کا چہرہ دیکھنے کی ہمت مجھ میں نہیں رہی تھی میں نے پوری زندگی اسے سخت ہاتھ نہیں لگایا تھا اب میں اسے مار رہی تھی، آخر میرے ہاتھ رک گئے، میں بلک بلک کر رونے لگی۔ اس نے میرے بازو چھوڑ دیئے اور میں جیسے زمین پر ڈھے گئی تھی اس نے اپنا جوتا اتار کر میرے ہاتھوں میں تھمانے کی کوشش کی تھی۔

اور مارنا چاہیں تو اس سے ماریں۔ اس نے کہا تھا میں نے جوتے کو پرے دھکیل دیا اور چیخیں مار مار کر رونے لگی تھی، اس نے مجھے چپ کروانے کی کوشش نہیں کی پتا نہیں میں کتنی دیر تک روتی رہی تھی۔ جب آنسو نکلنا ختم ہو گئے اور میں نے آنکھیں کھول کر اٹھنے کی کوشش کی تھی تو اسے اپنے پاس پایا تھا، اس نے سہارا دے کر

مجھے اٹھایا تھا میں نے اسے روکا نہیں صحن میں اب کوئی بھی نہیں تھا، نہ ہی دیواروں پر عورتیں تھیں پتا نہیں سب کہاں چلے گئے تھے۔

حدید اٹھ کرنل کے پاس چلا گیا تھا پھر ایک گلاس میں وہ پانی لایا تھا، مجھے گلاس تھمانے کے بجائے اس نے گلاس میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ میں نے گھونٹ گھونٹ کر کے پانی پیا تھا۔

بس۔ میں نے گلاس کو ہاتھ سے پرے کیا تھا اس نے باقی پانی خود پی لیا تھا، پھر اس نے میرے بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹ کر لپیٹ دیا تھا اور کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی چادر لا کر مجھے اوڑھا دی میں بغیر کسی مزاحمت کے ایک مجسمے کی طرح بیٹھی رہی۔

وہ دوبارہ نل کے پاس آ گیا تھا اور اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا تھا پھر گیلے ہاتھوں سے اس نے اپنے بال سلجھائے، جیب سے رومال نکال کر اس نے اپنا چہرہ اور ہاتھ صاف کیئے، کچھ دیر تک وہ اپنی شرٹ کے اوپر والے ٹوٹے ہوئے بٹنوں

والی جگہ کو کسی طرح ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتا رہا تھا پھر اس نے انہیں کھلا چھوڑ دیا اور گلے میں بندھا ہوا رومال نکال دیا۔

میں خاموشی سے دور بیٹھی اسے تکتی رہی پھر وہ میرے پاس آنے کے بجائے اندر چلا گیا تھا اور کچھ دیر بعد میرے لئے ایک چپل کے ساتھ برآمد ہوا تھا اس کے پیچھے اب کی بار اکبر کے گھر والے بھی تھے، اس نے چپل میرے پاس رکھ دی اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھڑا ہونے میں مدد دی تھی، میں نے اس کے کہنے سے پہلے ہی چپل پہن لی۔

کنا سونا پتر اے تیرا جے تیرے بندے نے گھروں کڈ دتا ہے، تے کاغذ دے دتا اے تو فیر وی توں فکر نہ کری، تیرے کول تیرا پتر اے اللہ عمر دے۔ (کتنا خوبصورت بیٹا ہے تمھارا، اگر شوہر نے گھر سے نکال کر طلاق دے دی ہے تب بھی فکر مت کرنا، تمھارے پاس تمھارا بیٹا ہے۔ اللہ اس کو زندگی دے۔)

اکبر کی ماں نے مجھ سے لپٹ کر کہا تھا، میں چپ رہی تھی، تو آخر ان کو حقیقت کا پتا چل ہی گیا میں نے اس کی بات پر سوچا تھا۔

تسی میرے اتے بڑا احسان کیتا ہے، میں ایس احسان دا بدلہ نہیں دے سکدا، فیروی اگر کدی توانوں میری ضرورت پوے تو آجائیوں میرے کولوں جو ہووے گا میں کراں گا۔ حدید بڑی رواں پنجابی میں اکبر سے مخاطب تھا اور میں چونک اٹھی تھی کہ اسے تو پنجابی نہیں آتی تھی۔

بچپن سے لے کر اب تک میں نے کبھی اس سے پنجابی میں بات نہیں کی تھی اور نہ ہی اسے کبھی پنجابی بولتے سنا تھا اور آج وہ بڑے آرام سے پنجابی میں مخاطب تھا مجھے واقعی حدید کے بارے میں کم معلومات تھیں میں نے مایوسی سے سوچا تھا وہ اکبر اور اس کی ماں سے باتوں میں مصروف تھا اور میں سوچوں میں آخر مجھے اس کے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے اور آخر میں جا کیوں

رہی ہوں، یہ مجھے لینے کیوں آیا ہے اور یہ مجھے اپنے پاس لے جا کر کیا کرے گا سوالوں کا ایک ڈھیر میرے پاس جمع تھا اس نے اکبر کے بچوں کو کچھ روپے تھمائے اور پھر میرا ہاتھ تھام کر وہ اپنی جیپ کے پاس لے آیا تھا، کچھ عورتیں اور بچے باہر گلی میں نکل آتے تھے وہ انہیں نظر انداز کرتا ہوا میرا ہاتھ تھامے مجھے گاڑی میں بٹھانے لگا

اکبر کھڑکی کے پاس آیا تھا میں نے بے اختیار اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا، وہ سعادت مندی سے پیچھے ہٹ گیا تھا، حدید نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور کچھ ہی دیر میں ہم اس گاؤں سے نکل کر مین روڈ پر آ گئے تھے میں نے گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں تمام راستے حدید نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی، وہ بس خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا راستے میں ایک دو بار رک کر اس نے مجھے چائے اور کھانا کھلایا تھا اور پھر اسی طرح خاموشی سے گاڑی چلا دی۔

رات کا پچھلا پہر تھا جب ہم ایبٹ آباد اس کی رہائش گاہ پر

پہنچ گئے تھے، وہ مجھے اپنے بیڈ روم میں لے آیا تھا، اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر اس کے ساتھ میری ایک تصویر رکھی تھی، مجھے بیڈ پر بٹھا کر وہ ڈریسنگ روم میں یونیفارم بدلنے چلا گیا تھا، واپس آ کر بھی اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی، بس میری گود میں سر رکھ کر بیڈ پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

میں اس کے چہرے کو دیکھنے لگی، میری مار کے سارے نشان وہاں واضح تھے، میں اس کے بالوں اور چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی، اس نے کوئی حرکت نہیں کی، وہ سو چکا تھا اور پتا نہیں کب سے نہیں سویا تھا میں اس کا سر سہلاتی رہی، جیسے بچپن میں سہلاتی تھی۔

آپ کو نہیں پتا، میں آپ کو کہاں کہاں ڈھونڈتا رہا ہوں اور کوئی جگہ ایسی نہیں، جہاں میں نے آپ کا پتہ نہ کروایا ہو، کوئی رشتہ دار ایسا نہیں جہاں میں نہ گیا ہوں اور جس جس رشتہ دار کے پاس جاتا رہا، اس سے آپ کا، ایمن اور سعد کے بارے میں وہ سب کچھ

پتا چلتا رہا، جو مجھے معلوم نہیں تھا اور جو آپ نے چھپایا اسے لوگوں نے عیاں کر دیا۔

مجھے اس عورت پر افسوس ہوا جس نے مجھے پیدا کیا تھا اور اس آدمی پر بھی جو میرا باپ کہلاتا ہے اور آپ پر بھی اس دور میں اتنا ایثار اتنی قربانی کس کے لیے، کیوں کیا آپ انسان نہیں ہے اور کیا آپکے جذبات نہیں ہے ۔

ممی میں نے ٹھیک کہا تھا کہ آپ بہت احمق ہیں، جو اپنے حق کے لیے خود نہیں لڑ سکتا تو کوئی دوسرا اس کے لیے کیسے لڑے گا اور آپ کو تو اپنی چیز اپنے پاس رکھنی بھی نہیں آتی، آپ تو اپنی چیز کی حفاظت تک نہیں کر سکتی، آپ نے کیا سوچا تھا کہ میں ایبٹ آباد سے واپس جا کر آپ کی بہن اور آپ کے شوہر کے درمیان صلح کرواتا رہا تھا، اس عورت کے لیے لڑ رہا تھا جس نے مجھے پیدا کیا تھا نہیں میں تو آپ کے لیے لڑ رہا تھا، میں تو اس سب کو ہونے سے روکنا چاہتا تھا جواب ہو گیا ہے ۔

آپ جانتی ہیں کہ آپ کے سابقہ شوہر کتنے ماہ سے آپ کی بہن کے ساتھ پھر رہے تھے وہ جو ہر ایک دو ہفتے کے بعد غائب ہو جاتے تھے وہ کوئی بزنس ٹرپ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ دونوں سیر وتفریح کے لیے مری وغیرہ آیا کرتے تھے، اور میں نے بھی انہیں وہیں دیکھا تھا، اس عورت کا چہرہ بہت مانوس سا لگا لیکن میں فوراً اسے پہچان نہیں پایا، اور پھر جب پہچانا تو مجھے ایک شاک سا لگا تھا کیونکہ آپ دونوں نے مجھے یہی بتایا تھا کہ وہ مر چکی ہے، اور اگر وہ مر گئی تھی تو اب زندہ کیسے ہو گئی تھی۔

میں اسی کے بارے میں پوچھنے کے لیے لاہور جاتا رہا، میں ان دونوں کے اصلی تعلقات کے بارے میں جاننا چاہتا تھا، ان دونوں میں طلاق کیوں ہوئی میں یہ جاننا چاہتا تھا اور آپ کو پتا ہے کہ آپ کی بہن اور آپ کے سابقہ شوہر دونوں نے مجھ سے اس طلاق کی اصل وجوہات کے بارے میں جھوٹ بولا، انہوں نے کہا کہ آپ نے ان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر دی تھی مگر مجھے یقین

نہیں آیا، پھر میں نے ان کے درمیان ہونے والی خلع کا ریکارڈ نکلوایا، تب مجھ پر بہت سے انکشافات ہوئے تھے ۔

آپ کی بہن کا دوسرا شوہر چند سال پہلے مر گیا تھا۔ لہٰذا میں اس سے تو نہیں مل سکتا تھا، ہاں میں نے اس کی فیملی میں اس کے بہن اور بھائیوں سے ملاقات ضرور کی، سو جو کچھ ابہام رہ گئے تھے وہ بھی دور ہو گئے ۔

مجھے آپ سے حقیقت چھپانے کا گلہ تھا، اس لیے کچھ دنوں تک میں آپ سے خفا بھی رہا، مگر آپ نے ایک بار بھی مجھ سے وجہ نہیں پوچھی، آپ نہیں جانتی کہ میں آپ کے شوہر کو آپ کی بہن سے ملنے سے روکنے کیلیئے کتنا لڑتا رہا ہوں میں جانتا تھا کہ اگر وہ اسی طرح ملتے رہے تو پھر وہ آپس میں شادی کر لیں گے اور آپ کو طلاق دیئے بغیر یہ نہیں ہو سکے گا ۔

اگر وہ کوئی دوسری عورت ہوتی، آپ کی بہن ہوتی تو میں

یہ طلاق ہونے نہیں دیتا، میں آپ کو اپنے پاس لے آتا اور اس شخص کو کہتا کہ وہ آپ کو طلاق نہ دے، چاہے تو دوسری شادی کر لے مگر یہاں معاملہ الٹ تھا میں اس شادی کو روکنے کیلئے آپ کی بہن کے پاس بھی گیا تھا اور نہ چاہتے ہوبھی میں نے اس کی منتیں کی تھی، کہ وہ اس شادی کا خیال دل سے نکال دے اور جو چیز جیسے ہے اسے ویسا ہی رہنے دے، میں نے اسے کہا تھا کہ اگر وہ یہ شادی نہ کرے تو میں اس سے دوبارہ ملنا شروع کر دوں گا بلکہ اگر وہ چاہے گی تو میں اسے اپنے پاس رکھ لوں گا، بس وہ آپ کو اپنے شوہر کے پاس رہنے دے۔

میں جانتا تھا کہ بہت عرصے کے بعد آپکے تعلقات اپنے شوہر کے ساتھ ٹھیک ہوئے تھے اور آپ ان کے ساتھ بہت خوش تھیں اور میں آپ کی اس خوشی کو قائم رکھنا چاہتا تھا میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر وہ اس شادی کا خیال اپنے دل سے نہیں نکالتی تو پھر یہ سوچ لے، کہ وہ شوہر کو تو پا لے گی مگر بیٹے کو کھو دے گی، میں دوبارہ

اس کی شکل بھی نہیں دیکھوں گا مگر اس نے کہا تھا کہ میں پاگل ہو گیا ہوں، جو اپنی ماں کا خیال کرنے کی بجائے ایک غیر عورت کیلئے اپنی ماں کا گھر آباد ہونے نہیں دے رہا۔

اس نے کہا تھا، اس کی شادی کے بعد ہمارا ٹوٹا ہوا گھر پھر سے مکمل ہو جائے گا، مجھے میری ماں مل جائے گی اور اسے اس کا شوہر۔ لیکن میں نے اسے کہا تھا کہ مجھے اس گھر کے مکمل ہونے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور میں ہر چیز پہلے کی طرح رکھنا چاہتا ہوں، میں نے آپ کے شوہر سے بھی بہت دفعہ کہا تھا کہ وہ آپ کو طلاق نہ دے، میں نے اسے کہا تھا کہ میں لوگوں کو کیا بتاؤں گا، کیا کہوں گا کہ اس نے اس عمر میں میری ماں کو طلاق کیوں دے دی ہے کیا خرابی نظر آئی ہے اسے، مگر وہ بھی بار بار مجھے یہی کہتا رہا تھا کہ تمھیں اپنی اصلی ماں کا خیال نہیں ہے جو ساری عمر تمھارے لیے تڑپتی رہی ہے، تمھیں بار بار اس کا خیال آ رہا ہے جس کے ساتھ تمھارا کوئی رشتہ نہیں ہے

آپ نہیں جانتی ممی، میں ان دونوں کے سامنے کس طرح گڑگڑاتا رہا تھا اور منتیں کرتا رہا تھا، زندگی میں کبھی مجھے کسی کے سامنے اس طرح گھٹنے ٹیکنے نہیں پڑے تھے، مگر وہ دونوں اپنی ضد پر قائم تھے اور دونوں کا اصرار تھا، کہ یہ سب وہ میرے لیے کر رہے ہیں اور میں سوچتا تھا کہ اگر انہیں میرا اتنا خیال ہے اور میری خوشی ان کیلئے اتنی اہمیت رکھتی ہے تو پھر یہ میری کیوں نہیں مان لیتے، اور میں سوچتا تھا کہ ان دونوں کی خودغرضی نے آپ کو کس طرح سولی چڑھایا ہوگا ۔

آپ نے کس طرح وہ سب برداشت کیا تھا اور آپ نے کیسے اپنے ہوش وحواس قائم رکھے ہوں گے اور سانس لیتی ہوں گی وہ دونوں انسان نہیں ہیں، وہ جانور بھی نہیں ہیں کیونکہ جانور اتنے خودغرض اور منافق نہیں ہوتے، جتنے وہ ہیں ۔

میں نے سوچا تھا کہ شاید وہ دونوں اپنی ضد سے باز آجائیں گے، شاید انہیں آپ کا نہیں تو پھر میرا ہی لحاظ آڑے آجا

ئے گا مگر ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا، میں جب لاہور گیا تھا اور میں نے ایمن کو اپنے گھر میں دیکھا تھا تو میرے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی، وہ دونوں مجھے دیکھ کر یوں مسکرا رہے تھے جیسے انہوں نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہو، اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں دونوں کو شوٹ کر دوں۔

آپ نے سوچا کہ میں نے ان دونوں کی شادی کروائی ہے، اور آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے، کیا میں اتنا ذلیل اور بے غیرت ہوسکتا ہوں آپ کے لئے میں نے اخباروں میں اشتہار چھپوائے تھے اور آپ نہیں جانتی کہ میں نے کتنی دعائیں کی تھیں اللہ تعالیٰ سے میں ان پندرہ دنوں میں ایک دن بھی ٹھیک سے نہیں سویا، اور جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے، ہر چیز سے میرا دل اچاٹ ہوتا جا رہا تھا۔

پھر ایک دن اکبر کا فون آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ اس تصویر سے ملتی جلتی ایک عورت اس کے پاس ہے، مگر وہ اپنے بارے

میں کچھ اور ہی کہتی ہے، پھر میں اس کے پاس چل پڑا تھا اور جب میں نے آپکو وہاں زمین پر لیٹے دیکھا تو آپ نہیں جان سکتیں، کہ اس وقت میری کیا حالت ہوئی تھی اور آپ نے تو حد کر دی، مجھے اس طرح مارا کہ ابھی تک درد ہو رہا ہے کیا مائیں ایسا کرتی ہیں؟

اگلی دو پہر وہ کھانے کی میز پر بیٹھا ساری رام کہانی سنا کر شکوہ کر رہا تھا، میں شرمندہ تھی، کیا کہتی اور کیا جواب دیتی ۔

پھر دن گزرنے لگے تھے، میں طلاق کا زخم بھولنے لگی تھی، حدید نے مجھے ایک لڑکی کے بارے میں بتایا تھا جو ایک کالج میں لیکچرار تھی اور ایک بہت ہی باحیثیت فیملی سے تعلق رکھتی تھی فاریہ مجھے بھی پسند آئی تھی اور میں نے حدید کے ساتھ اس کی شادی طے کر دی تھی حدید نے فاریہ کے گھر والوں کو اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا، چونکہ فاریہ بھی اسے پسند کرتی تھی، اس لیے اس کے گھر والوں نے سعد سے ملنے پر اصرار نہیں کیا۔

حدید نے فاریہ کو شادی سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ شادی کے بعد جاب نہیں کرے گی ،اور فاریہ نے بغیر کسی اعتراض کے یہ شرط قبول کی تھی وہ ایک بہت ہی تابعدار قسم کی بیوی ثابت ہو یہ تھی، حدید سے کافی ڈرتی تھی اور اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرتی تھی، حالانکہ اس کے میکے والے بہت امیر تھے مگر پھر بھی وہ ہمیشہ حدید کے کہنے پر چلتی تھی حدید کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی اسامہ، ولید اور کومل۔

وقت بڑے سکون اور امن سے گزر رہا تھا۔ سعد نے ایک دو بار حدید سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی مگر حدید نے بہت بری طرح اسے رابطہ قائم کرنے سے منع کر دیا تھا۔

آپ نہیں جانتی ممی کہ یہ شخص کتنا خود غرض ہے، میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ آپ کو طلاق دے کر اس عورت سے شادی کرے گا تو مجھے کھو دے گا، تب اس نے کوئی پرواہ نہیں کی اور اب اسے اپنے کیے کا بدلہ وصول کرنا ہی پڑے گا، آپ مجھے مت کہیں کہ

میں اس شخص سے ملنا شروع کر دوں۔

اس نے ایک دفعہ میرے اعتراض پر کہا تھا میں اس شخص کا بیٹا ہوں، اسی لیے چھوٹے دل کا ہوں، آپ کا بیٹا ہوتا تو شاید بڑے دل کا ہوتا اور پھر سب کچھ آپ کی طرح بھول بھی جاتا مگر اب نہیں بھول سکتا اور نہ ہی انہیں معاف کر سکتا ہوں۔

میں چپ ہو گئی تھی اور یہی بہتر تھا مگر میں بہت خوش ہوئی تھی، اس بات سے کہ اب حدید سعد کے پاس نہیں جائے گا اور نہ ہی ایمن کے پاس ساری زندگی ان دونوں کے لئے ایثار کرتے کرتے میں تھک گئی تھی، اب اور ایثار نہیں کر سکتی تھی، کیا ملتا ہے اس ایثار سے، اور اپنی ہر چیز دوسروں کو دے کر کیا حاصل ہوتا ہے کچھ بھی تو نہیں،، میرے جیسے خالی دامن لوگ خالی دل بھی ہو جاتے ہیں۔، ہر ایک کو تو حدید نہیں ملتا نا،، تو پھر ایک بار مجھے وہ مل گیا ہے تو میں اسے واپس کیوں لوٹاؤں۔

پھر اس دن ایمن نے فون کیا تھا ۔

کیسی ہو مریم ؟ اس نے پوچھا تھا ۔

میں ٹھیک ہوں، تم بتاؤ کیوں فون کیا ہے میں نے وقت ضائع کیے بغیر پوچھا تھا، چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے کہا تھا۔

میں حدید سے بات کرنا چاہتی ہوں۔

مگر وہ تم سے بات کرنا نہیں چاہتا اور یہ بات تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔

وہ میرا بیٹا ہے اور اس طرح کی باتیں کہہ دینے سے خونی رشتے نہیں ٹوٹتے اس کی ڈھٹائی پر مجھے حیرت نہیں ہوئی تھی ۔

تمہیں حدید کی اب کیا ضرورت آن پڑی ہے سب کچھ تو ہے تمھارے پاس، دو شوہروں کی دولت، دو بیٹیاں، سعد جیسا

شوہر، پھر حدید کی کیا ضرورت ہے تمھیں۔

میرا لہجہ نہ چاہتے ہو بھی طنزیہ ہو گیا تھا، وہ چند لمحے چپ رہی تھی پھر اس نے کہا تھا۔

وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے، ایک نہ ایک دن تو وہ میرے پاس ہی آئے گا اور میں نے فون بند کر دیا تھا۔

نہیں ایمن، اب وہ تمھارے پاس نہیں آئے گا، کبھی بھی نہیں آئے گا اور میں اسے جانے دوں گی تب نا۔ میں نے سوچا تھا۔

پھر اس نے ایک بار نہیں بار بار فون کیا تھا، بہت آہستہ آہستہ سہی مگر اس کے لہجے کا سارا طنطنہ رخصت ہو چکا تھا، وہ اپنی دونوں بیٹیاں بیاہ چکی تھی اور دونوں ہی بیرون ملک تھیں، وہ دونوں اب تنہا تھے اور اسی لیے انہیں حدید کی یاد آتی تھی۔

ایمن نے ایک بار سعد کے ذریعے بھی مجھ سے یہی مطالبہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ میں حدید کو اور اس کے بیوی بچوں کو ان سے ملنے کیلئے مجبور کروں، میں چپ چاپ سعد کی آواز سن رہی تھی اور وہ اسی طرح حکمیہ لہجے میں بات کرر ہا تھا جیسے وہ کرتا تھا مجھے پتہ نہیں چلا کب حدید آ گیا تھا اور اس نے فون کا ریسیور مجھ سے لے لیا تھا،اور سعد کی آواز سنتے ہی وہ آپے سے باہر ہو گیا تھا،اس کے جو دل میں آیا تھا وہ اس نے سعد کو کہہ ڈالا تھا اور پھر ریسیور پٹخ دیا تھا۔

ممی یہ شخص میرے اور آپ کے لئے مر چکا ہے، پھر آپ اس کے فرمان کیوں سنتی ہیں، آج کے بعد آپ اس شخص کا فون کبھی اٹینڈ نہیں کریں گی اور میں یہ بات دوبارہ نہیں کہوں گا۔

یہ پہلا اور آخری حکم تھا جو آج تک حدید نے مجھے دیا تھا، اور میں نے اس پر عمل کیا تھا۔

آپ ابھی تک سوئی نہیں ہیں۔ حدید اندر آ گیا تھا اور میں مسکرادی تھی

تمھارے بیٹے کی فرمائشیں ختم ہوں، تب سوؤں نا۔

یہ بھی نہیں سویا ابھی تک، کیوں اسامہ آپ اب تک کیوں جاگ رہے ہیں اور سوئے کیوں نہیں اس نے گھرکنے کے انداز میں اپنے بیٹے سے کہا تھا ۔

بس پاپا سونے والا ہی تھا اسامہ نے باریک سی آواز میں کہا اور آنکھیں بند کرلیں، حدید کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔اپنی کیپ اور چھڑی اس نے میرے بیڈ پر اچھال دی اور پھر شوز کے تسمے کھولنے لگا۔

تھک گئے ہو، چائے بنا دوں میں جانتی تھی کہ وہ اس وقت کسی ریڈ سے آیا ہوگا۔

اس نے کرسی پر نیم دراز ہوتے ہو کہا نہیں میں ملازم کو کہہ آیا ہوں، وہ چائے لا رہا ہو گا

اسامہ آپ ذرا سا آگے ہو جائیں ایک دم وہ اٹھ کر بیڈ پر آ گیا اور اس نے اسامہ کو دھکیل کر آگے کر دیا ۔

اتنی محنت کرتی ہے پولیس اور پھر بھی پولیس کو برا بھلا کہا جاتا ہے، راتوں کو جاگیں، دن کو بھاگیں، پھر بھی ہر کوئی پولیس میں کیڑے نکالتا ہے۔

وہ اپنی آنکھیں بند کیے مجھ سے مخاطب تھا، پھر اچانک اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اچانک اس نے پوچھا تھا dentist آپ کے پاس گئی تھیں۔

ہاں فاریہ کے ساتھ گئی تھی میں نے مسکرا کر کہا تھا اور اس

نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

آپ کا کیا خیال ہے، اب کومل کو اسکول داخل کروا دینا چاہیے؟ وہ پھر آنکھیں بند کیے مجھ سے پوچھ رہا تھا۔

نہیں بھئی ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے ۔

مگر باتیں تو بہت کرتی ہے۔

باتوں کا کیا ہے وہ تو تم بھی بہت کرتے تھے، وہ بھی تمھاری طرح ہے وہ میری بات پر بہت دلکشی سے ہنسا تھا مگر آنکھیں نہیں کھولی تھیں ۔

ٹائم کیا ہوا ہے ممی؟

تین بجنے والے ہیں۔ میں نے اسے بتایا تھا ۔

اب میں چائے نہیں پیوں گا بس یہیں سو جاؤں گا، آپ

لائٹ آف کر دیں اور صبح مجھے مت اٹھایئے گا، میں لیٹ اٹھوں گا، کل لنچ آپ خود بنایئے گا، فاریہ یا ملازم سے مت بنوایئے گا۔ گڈ نائٹ ممی۔

اس نے آنکھیں بند کیے ہی اپنا طویل پروگرام مجھے بتا دیا، میں نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تھا۔

گڈ نائٹ لائٹ آف کرنے سے پہلے ایک بار میں نے اس کا چہرہ دیکھا تھا، وہ سو چکا تھا، میں نے چادر اس کے اوپر پھیلا دی اور خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئی۔

اور آج وہ کہہ رہی تھی کہ میں حدید سے کہوں کہ وہ اسے معاف کر دے اور آج وہ رو بھی رہی تھی۔ اب اسے حدید یاد آ رہا تھا وہ کہا کرتی تھی، میں چیزوں کو نہیں کھینچتی وہ خود میرے پاس آتی ہیں، مجھ میں اتنی طاقت ہے اور اگر کوئی انہیں جانے سے روکنا چاہے، تو روک کر دیکھ لے۔

نہیں ایمن، چیزیں تمھارے پاس اس لیے چلی جایا کرتی تھی کیونکہ لوگ انہیں روکا نہیں کرتے تھے، کیونکہ وہ تم سے محبت کرتے تھے مگر یہ سب کب تک ہوتا، ایک دن تو تمھارا جادو ختم ہونا ہی تھا اور وہ دن آ چکا ہے، اور اب تم کس کس چیز کو بلایا کرو گی، کون سا حربہ استعمال کرو گی، کون سا اسم پڑھو گی پچھلے پچیس سال ہر چیز کے ہوتے ہوئے میں نے تنہا گزارے تھے، اور اب اگلے پچیس سال تم اور سعد تنہا گزارو گے اگر زندہ رہے تو، یہی مکافات عمل ہے۔

## ختم شد

. . . . . . . . . . . . . . . . . .